تک نہیں آنے پائے ہیں، صرف ایک محمد علی جناح کا نام ہے، وہ بھی اس طرح کہ اس کا نہ ہونا بہتر تھا، اس کے مقابلہ میں کسی ہندو لیڈر اور ہندو اخبار کا نام مشکل ہی سے چھوٹنے پایا ہے، مولف کے تعصب سے اس سے زیادہ توقع بھی نہیں کیجا سکتی تھی،

محامد الخلفاء مرتبہ حافظ اخلاق احمد صاحب و سجاد حسین صاحب، تقطیع جیبی، ضخامت ۱۴۸ صفحے، کاغذ، کتابت و طباعت، بہتر، قیمت :- ۶/ر، پتہ :- مکتبہ قصر الادب آگرہ،

اس کتاب میں خلفاے راشدین رضی اللہ عنہم کے مختصر حالات، ان کے کارنامے، اخلاق اور کلام اللہ اور احادیث نبوی سے ان کے فضائل سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیئے گئے ہیں، حدیثیں تمامتر صحاح کی ہیں، تفسیری روایات میں البتہ ہر قسم کی روایتیں ہیں، آخر میں عام صحابۂ کرامؓ کے فضائل کی تفسیری روایات اور حدیثیں دیدی ہیں، خلفاء اور صحابہ کی مدح میں چند نظمیں بھی ہیں، عام مسلمانوں کے لئے کتاب اچھی ہے، آیات و احادیث میں بعض مقاموں پر کتابت کی معمولی غلطیاں رہ گئی ہیں،

جدید علم البلاغت، مرتبہ جناب پروفیسر عبد المجید صاحب ایم اے، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۹۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت ۸/ر، پتہ :- لالہ رام نراین لال بک سیلر الہ آباد،

مؤلف نے طلبہ کی سہولت کے لئے علم بیان پر یہ مختصر رسالہ لکھا ہے، اس میں اس کے جملہ اقسام اور صنعتوں کی تعریفیں اور انکی توضیح کے لئے عربی فارسی اور اردو اشعار سے مثالیں دی گئی ہیں، اردو اور فارسی کا امتحان دینے والے طلبہ کے لئے رسالہ مفید ہے، عربی اشعار میں جا بجا غلطیاں رہ گئی ہیں،

"م"

جلد ۴۶ ماہ رمضان المبارک سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ اکتوبر سنہ ۱۹۴۰ء عدد ۴

مضامین

شذرات

مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری

افسوس ہے کہ مولانا ابوبکر محمد شیث جونپوری نے دو ڈھائی برس کی سخت علالت کے بعد اپنے وطن جونپور میں ۲۳ شعبان ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۶ ستمبر ۱۹۴۰ء کی رات کو ۳ بجے اس جہانِ فانی کو الوداع کہا، اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن،

مرحوم جونپور کے ایک مشہور علمی خاندان کے فرد تھے، اُن کے دادا مولنا سخاوت علی صاحب مولنا شاہ عبدالحیٰ صاحب دہلوی اور مولنا اسمٰعیل شہید کے فیض یافتہ اور پورب میں توحید و سنت کے سب سے بڑے داعی، اور اس دور میں اسلامی علوم و فنون کے بہت بڑے مدرس تھے، جونپور میں بیٹھکر تن تنہا سیکڑوں علمائے دین پیدا کئے اور پورب کے خطہ میں اُن کو جگہ جگہ پھیلا کر اس نازک موقع پر اسلام کی مورچہ بندی کی، وہ ہجرت کر کے بعد کو مدینہ منورہ چلے گئے تھے اور وہیں وفات پائی، راقم کو بھی یہ فخر حاصل ہے کہ اسکے دادا کے حقیقی بھائی انھیں کی مجلسِ درس سے مستفیض تھے،

مولانا کا پورا خاندان اس وقت سے اب تک علمائے دین کا خانوادہ ہے، جسکی سعی و کوشش نے پورب کی سرزمین کو بڑا فیض پہنچایا، مولانا مرحوم نے نیچے کی تعلیم گھر میں پاکر مولنا عبداللہ صاحب غازیپوری سے مدرسہ احمدیہ آرہ جاکر علوم کی تحصیل کی، اور واپس آکر اپنے خاندانی مدرسہ کے اہتمام و انتظام کا اور ساتھ

ہی ملک کے مختلف گوشون میں جاکر ہدایت و ارشاد کا کام انجام دینا شروع کیا۔

موصوف سے میری ملاقات سنہ ۱۹۲۰ء میں تحریک خلافت کے سلسلہ میں ہوئی، یہ ملاقات دوستی اور دوستی اتحاد کی اس منزل تک پہنچ گئی جسکے بعد خیال کی دوئی کا کوئی مرتبہ نہیں ہتا، ایک دفعہ میں نے کہا اور اُنھوں نے مانا تھا کہ ایک مذہب ہی جس کے دو ہی پیرو ہیں ایک وہ اور ایک میں، مقصود تقلید و عدم تقلید کے مسائل میں اعتدال سے تھا، ابھی جب ان کے مرنے سے دو ہفتے پہلے میں جونپور انکی عیادت کو گیا، تو زبان سے ٹھیک طور پر بول نہ سکے مگر غیر مفہوم آواز میں دو انگلیوں کو اٹھا کر اپنی طرف اور میری طرف اشارہ کیا، کیسا حسرتناک منظر تھا! چلتے وقت کا سلام! اور فی امان اللہ اور فی حفظ اللہ کا ابدی پیام!

میں نے علماء میں ایسا شریف، ایسا نیک باطن، ایسا دور اندیش، ایسا فیاض، ایسا سادہ مزاج اس پر ایسا مستقل مزاج، خوش اخلاق، شیرین گفتار، باغ و بہار، ایسا خشک اور ایسا تر آدمی نہین دیکھا، ایسا متقی و پرہیزگار اور ساتھ ہی ایسا وسیع المشرب اور وسیع اخلاق، وہ مذہبی تھے اور سخت مذہبی، لیکن وہ بھی ان کو مانتے تھے جو مذہب کو نہین مانتے تھے، وہ بے دینوں میں بھی ایسے ہی پیارے تھے جیسے دینداروں میں، اور یہ اُنکے حسن اخلاق کی بڑی کرامت تھی،

وہ سنہ ۱۹۲۵ء سے لیکر سنہ ۱۹۴۰ء تک پندرہ برس مسلم یونیورسٹی میں ناظم دینیات رہے، اس عرصہ میں کئی انقلاب آئے مگر وہ اپنی جگہ پر تھے، ساتھ ہی ان کے جبہ و دستار کی شان میں وہ بلندی رہی کہ کوٹ پتلون اور ہیٹ والے ان کے آگے جھک جاتے تھے، مگر اس میل جول اور نرمی، اور نرم خوئی میں حق کے خلاف کوئی بات سنکر چپ نہیں رہ سکتے تھے، غرض وہ اپنے علم و عمل میں پہاڑ، اور اخلاق و کرم میں بہتے پانی کی طرح تھے،

نئے تعلیم یافتون، بلکہ نئی تعلیم کے اصل مرکز مین مذہبی وقار کو سلامت رکھنا کوئی آسان کام نہیں انھون نے اس مشکل کام کو آسان کر دکھایا تھا، ان کا فضل و کمال کسی خاص علم و فن مین محدود نہ تھا، بلکہ حدیث و فقہ و تفسیر سے آگے بڑھکر شعر و شاعری اور ریاضیات تک سے ان کو یکسان دلچسپی تھی انکی سادگی کو دیکھکر کسی کو ان کی اس گہرائی کا یقین نہیں آتا تھا، اور ان کی اس گہرائی کو دیکھکر ان کی اس سادگی پر سب کو تعجب ہوتا تھا، اس قدر سادہ اور اس قدر رنگین!

وہ اکلہ (کینسر) کے مرض مین جس سے ایک طرف کا پورا رخسار اور جبڑا آدھے منہ تک خالی ہو گیا تھا، دو ڈھائی برس تک ہر قسم کی مصیبت اور ہر طرح کی تکلیف جھیلتے رہے، اور اس پوری مدت میں ایک دفعہ بھی بے صبری کی آہ اور تکلیف کی کراہ ان کے منہ سے نہیں نکلی، کوئی نماز ترک نہیں ہوئی، اور صبر و شکر کا دامن ایک لمحہ کے لئے ہاتھ سے نہیں چھوٹا، دیکھنے والے ان کی حالت کو دیکھکر آنکھوں میں آنسو بھر لاتے تھے، اور وہ ہاتھ اور زبان کے اشارون سے صبر و استقلال کی نصیحت کرتے تھے،

آہ! کہ فضل و کمال کا یہ پیکر، حسن و اخلاق اور شرافت کا یہ پتلا، دینداری اور پرہیزگاری کا یہ مرقع، تواضع اور خاکساری کا یہ سراپا، صبر و استقلال کا یہ مجسمہ ساٹھ برس دنیا کی نیرنگی کا تماشہ دیکھکر دنیائے رنگ و بو سے مٹ گیا،

مرحوم کی یادگار چند اولادیں اور چند کتابین ہین، مگر ان سب سے بڑھکر انکی یادگار ان کے حسن اخلاق کی یاد ہے، مرنے والے کا مدفن تو زمین کا ایک گوشہ ہی، مگر اس یاد کا مزار انکے دوستوں کے دل ہیں،

بعد از وفات تربتِ ما در زمین مجو
در سینہ ہاے مردمِ عارف مزار ماست

جانے والے جا! رحمت الٰہی تیری منتظر اور مغفرت الٰہی تیرے لئے چشم براہ ہو گی!

مقالات

کیا قرآن رسول کا کلام

اور

انسانی تعلیمات سے ماخوذ ہے؟

(سید سلیمان ندوی)

اگر کوئی مسلمان نہ ہو، یا خدانخواستہ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کو صادق اور راستباز تسلیم نہیں کرتا تو اس کے لئے اپنی غلط فہمی سے بے شبہہ یہ کہنے کا موقع ہے، کہ قرآن پاک خدا کا نہین بلکہ رسول کا کلام اور انسانی تعلیم سے ماخوذ ہے، لیکن ہمارا مخاطب ایک ایسا شخص ہے جو اپنے کو مسلمان کہتا اور مسلمان مانے جانے پر مصر ہے اور ساتھ ہی حضرت محمد رسول اللہ صلعم کو صادق اور راستباز تسلیم کرتا ہے، اور اس کے باوجود یہ کہنے کی جرأت کرتا ہے، کہ قرآن پاک خدا کا نہین بلکہ رسول کا کلام ہے، اور انھون نے یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتون کو اپنے قرآن مین درج کر دیا ہے،

جو شخص اپنے کو مسلمان کہکر یہ خیال رکھتا ہو، وہ قطعاً اسلام کے دائرہ سے خارج ہے، کیونکہ وہ ایک ایسے بنیادی اصول کی جڑ کھودنا چاہتا ہے، جس پر اسلام کی پوری عمارت قائم ہے، اور جو اسلام کا مسلمہ عقیدہ اور یقینی تعلیم اور متفقہ فیصلہ ہے، جس پر سب سے اسلام ہے، تمام امت کا متفقہ مسئلہ اور ناقابل شک یقین کامل ہے،

جو چیز ایسی یقینی اور مسلّم ہو، اس پر دلیل قائم کرنا، اور دلیلون کے ذریعہ سے اس پر ایمان کا مطالبہ درحقیقت اُس یقین کی کمزوری کا نشان ہے، آفتاب کے طلوع پر دلیل مانگنا اپنی نابینائی کا آپ اعلان ہے، اسلام کی ساڑھے تیرہ سو برس کی زندگی مین سیکڑون فرقے پیدا ہوئے، مگر اس اصول پر سب کے سب متفق تھے، کیونکہ جو اس اصول پر متفق نہیں وہ اسلام کے دائرہ ہی مین شامل نہیں وہ کسی فرقہ مین کیا شمار پاتا، کیسے افسوس کی بات ہے کہ آج نام کے مسلمانون مین ایک ایسے بلند خیال محقق پیدا ہوئے ہین، جو گو مشرق و مغرب کے ہر علم و فن سے کورے ہین، پھر بھی ہمہ دانی کا یہ دعوی ہے کہ مشرق و مغرب کا کوئی مسئلہ ایسا نہیں جسمیں اجتہاد کا دعوی نہ ہو،

ان صاحب نے شاید سنہ ۱۹۰۰ء مین جب وہ چودہ پندرہ برس کے ہونگے اپنے باپ کے ساتھ جو دارالعلوم کے مطبخ اور دارالاقامہ مین منشی کی خدمت پر ایک دو مہینے کے لئے نوکر ہوئے تھے، دارالعلوم کے احاطہ مین داخل ہو کر چند ابتدائی کتابین صرف شروع کی تھین اسپر اتنا بڑا جھوٹ وہ بولے ہین کہ انھون نے دارالعلوم ندوہ مین علوم کی تکمیل کی ہے، (جیسا کہ انھون نے مصنفین اردو کی فہرست مطبوعہ کتاب گھر حالی پبلشنگ ہوس دہلی مین خود اپنے قلم سے لکھکر چھپوایا ہے، ص ۱۳۵) کیا اس کے بعد انکی اخلاقی حالت اس قابل سمجھی جاسکتی ہے، کہ وہ حقائق اسلام پر گفتگو فرمائین اور مسائل میں مجتہدانہ رائے کے اظہار کی جرأت کرین، ع

تفو بر تو اے چرخ گردان تفو

اپنی اس خود نوشت سوانح عمری مین صاحب مذکور نے اپنی تعلیم کا دوسرا مقام رامپور لکھا ہے، جہان اون کے والد نے وکالت کا پیشہ اختیار کر لیا تھا، لیکن وہان بھی ان کی تعلیم ہدیہ سعیدیہ اور مختصر المعانی سے آگے نہیں ہو سکی، اور یہ کتابین بھی ان کی بنیادی کمزوری کے سبب سے اون کی سمجھ سے باہر تھین، جیسا کہ ان کے ساتھیون کا بیان ہے،

یہ ہے ان صاحب کی مشرقی علوم و فنون کی تکمیل، اور تبحر کا سارا افسانہ!

اس کے بعد کچھ انگریزی پڑھکر پولیس کی نوکری کی، اور وہان سے الگ ہو کر یا الگ کئے جانے پر دوسرون کی کمائی کو اپنانے مین اپنے کمال کا اظہار کیا، اور حقائق قرآنی اور نکات دینی پر لب کشائی کی جرأت کی،

عزیزے کہ از درگہش سر بتافت

بہر در کہ شد ہیچ عزت نیافت

اگر ایسا شخص علانیہ اسلام سے ارتداد کرے، یا یہودی عیسائی اور آریہ ہو جائے تو ہم کو کچھ دکھ نہ ہوگا، کیونکہ یہ سمجھ لیا جائے گا، کہ وہ بھی اسلام سے غداری کرکے مخالفون کی صف مین شامل ہوگیا، لیکن غم تو اس کا ہے، کہ وہ اپنے کو مسلمان کہتا ہے، اور اسلام کے قلعہ میں بیٹھکر دشمنون کے حق مین اسلام کے خلاف تبلیغ مین مصروف ہے، اور اس کے سبب سے مسلمان دو طرفہ حملون مین گھرے ہین، ایک دشمنون کے حملے کا جواب اور دوسرا دوست نما دشمنون کے حملوں کی روک تھام، جس فوج کی صف کے اندر یہ خانہ جنگی برپا ہو اسکی کامیابی کا یقین کوئی کیونکر کرے،

شخص مذکور دراصل تو قرآن پاک کو خدا کا کلام اس لئے نہین مانتا، کہ وہ خدا کی ذات و صفات کے یقین سے محروم، نبوت و رسالت کی حقیقت سے بیگانہ، اور وحی و الہام کے عقیدہ سے ناآشنا ہے، مگر ظاہر یہ کرتا ہے، کہ اسکو اسلئے نہین مانتا، کہ

۱- اس سے لازم آئے گا، کہ خدا کی زبان اور منہ ہو،

۲- اگر قرآن پاک محمد رسول اللہ صلعم کی تصنیف نہ ہو تو رسول اللہ صلعم کی دماغی بلندی اور ذہنی کمال کا ثبوت کیا ہوگا، (نعوذ باللہ)

۳- قرآن نے اپنے کو کہین کلام اللہ نہین کہا ہے،

ان خرافات کی تردید کی چندان ضرورت نہ تھی، مگر اس لئے تاکہ یہ نہ کہا جائے کہ ہمکو جواب نہیں دیا گیا، چند سطرون کے لکھنے کی ضرورت ہے،

صفت کلام دراصل یہ مسئلہ صفاتِ الٰہی کے مسئلہ کی ایک کڑی ہے، دنیا مین کوئی شئے صفات سے خالی ہو کر نہیں پائی جاسکتی، عرصۂ ہستی مین اوپر سے نیچے تک جو چیز بھی ہے، وہ چند صفات سے متصف ہی ہو کر پائی جا رہی ہے، اسی اصول کے تحت مین وہ ہستی اقدس بھی جس سے ساری دنیا کی ہستی ہے صفات سے خالی نہیں، عام اہلِ سنت اور غیر اہل سنت مین اختلاف اس میں ہے، کہ ان صفات کا منشا خود ذاتِ الٰہی ہے، یا ذات سے علٰحدہ ہو کر وہ صفات اس مین اسی طرح پائے جاتے ہین، جیسا کہ ممکنات مین ہم کو نظر آتے ہین،

بہرحال جو پہلو بھی اختیار کیا جائے صفاتِ الٰہی کے منشا، اور آثار کے ظہور سے کسی فرقہ بلکہ مطلقاً کسی مذہب کو انکار نہیں، اسی بنا پر ہم خدا کو سمیع (سننے والا) بصیر (دیکھنے والا) متکلم (بولنے والا) مُرِید (ارادہ کرنے والا) اور قادر (قدرت والا) یقین کرتے ہین، اسلام کا کوئی فرقہ ایسا نہیں جو یہ کہے کہ جب وہ سنتا ہے، تو اس کے ہمارے جیسے کان بھی ہون گے، وہ دیکھتا ہے، تو ہماری جیسی اس کی آنکھین بھی ہون گی، وہ بولتا ہے، تو ہماری جیسی اس کی زبان بھی ہو گی، اسی طرح دوسری صفات کا فرق ہے،

ان صفات کی تعبیر دو طریقون سے کی گئی ہے،

۱۔ صفات عین ذات ہین، یعنی خود ذات مین ان صفات کا منشا پایا جاتا ہے، خدا کو "سمیع" کہنے کا یہ مطلب ہو کہ جن باتون کا علم ہم کو کانون سے سن کر ہوتا ہے، خدا کو ان کا علم ہے، "بصیر" اس لئے کہتے ہین، کہ جن چیزون کو ہم دیکھکر محسوس کرتے ہین، ان کو بھی خدا جانتا ہے، اور "متکلم" اس لئے کہتے ہین کہ ہم اپنے جن اندرونی خیالات اور مافی الضمیر کو اپنی زبان کی حرکت اور آواز

سے دوسرون پر ظاہر کرتے ہین، خدا بھی اپنی ان باتون سے دوسرون کو اطلاع بخشتا ہے، اور یہی اوس کا کلام ہے،

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ان صفات کے اظہار کے جو آلات ہم مین پائے جاتے ہین انہی نوعیتون کی چیزین اللہ تعالٰی مین بھی پائی جاتی ہونگی، اور اسی ادنی تعلق سے خدا کے ہاتھ کو ہاتھ، آنکھ کو آنکھ، سننے کو سننا، اور بولنے کو بولنا کہتے ہین، اس کے ہاتھ ہین مگر ہماری طرح نہیں، کان ہین، مگر ہماری طرح نہین، وہ کلام کرتا ہے، مگر ہماری طرح نہین، کیونکہ وہ خدا ور اس کی ساری صفتیں قرآن کے اس اصول کے تحت مین ہین،

لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ، (شوریٰ - ۲) اوس جیسی کوئی چیز نہین،

بہرحال ان مین سے جو پہلو بھی اختیار کیا جائے، صفاتِ الٰہی کا منشا پورا ہو گا، اب جو شخص کسی کو اپنے مافی الضمیر سے متعین اشارون کے ذریعہ یا تحریر کے ذریعہ، یا کسی قاصد کے ذریعہ، یا تار ٹیلیفون اور ریڈیو کے ذریعہ یا مسمرازم میں معمول مین اپنی تاثیر کے ذریعہ جو اطلاع دوسروں کو دیتا ہے، وہ اطلاع یا کلام ذریعہ کا نہین ہوتا، وہ اصل متکلم یا کاتب کا ہوتا ہے، ان درمیانی ذریعوں کا کام صرف ایصال ہے، اسی طرح اللہ تعالٰی انبیاء علیہم السلام کو اپنے ارادہ، اطلاع اور حکم سے جو اطلاع بخشتا ہے، وہ کلام الٰہی ہے کلامِ رسول نہیں،

انبیاء علیہم السلام میں علم کی دو قسم کی طاقتیں ہوتی ہیں یہ آلات جن کے ذریعہ سے ہم اظہارِ مدعا کرتے ہین، بے جان اور بے ارادہ ہین، ہم جس طرح چاہتے ہین، ان کو استعمال کرتے ہین، لیکن انبیاء علیہم السلام کی یہ صورت نہیں، وہ جان اور ارادہ رکھتے ہین، لیکن ان کا یہ ارادہ تمامتر حکم الٰہی کے مطابق ہوتا ہے،

اللہ تعالٰی نے ان انبیاء علیہم السلام مین جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ میں لکھا ہے،

دو قسم کی علمی استعدادیں رکھی ہین، ایک تو قوانینِ شریعت کا وہ اصولی علم، جس کے ذریعہ سے وہ کلیات کے تحت مین جزئیات پر حکم لگاتے ہین، قوانینِ الٰہی کا یہ علم ان مین اسی طرح ودیعت رکھا جاتا ہے، جس طرح انسان، حیوان، چرند، پرند غرض تمام انواع میں کچھ فطری علم ودیعت رکھدیا جاتا ہے، انسان کے بچہ کو دودھ پینا کون سکھاتا ہے، حیوانات کے بچوں کو چرنا اور رینگنا کون بتاتا ہے، پرندون کے بچون کو اڑنا، آبی جانورون کے بچون کو تیرنا کون تعلیم کرتا ہے، وہی خالقِ فطرت اور حاکمِ خلقت! اسی کو وحی فطری کہتے ہین، مثال کے لئے انسانون مین فطری شاعر، فطری موجد، فطری مقنن، فطری ریاضی دان کا وجود کافی ہے،

حضرات انبیاءؑ کے اس ذریعہ علم کو ملکۂ نبوت اور فہم نبوی بھی کہہ سکتے ہین، اور وحی خفی بھی اس کا نام رکھ سکتے ہین، اور یہی ذریعہ علم انبیاءؑ کی جلالتِ علم کو ظاہر کرتا ہے،

دوسرا علم وہ ہے، جو وقتاً فوقتاً انبیاءؑ کو ان کے کسب و نظر اور عملِ تفکیر کے بغیر بارگاہ الٰہی سے عطا ہوتا ہے، اس ذریعۂ اطلاع مین انبیاءؑ اسی طرح بے جان اور بے ارادہ آلات کی طرح ہین جن کی مثال اوپر دی گئی، یہی **وحی جلی** ہے، اور یہی **کلام الٰہی** ہے، اس طریق پر انبیاء کو جو علم ہوتا ہے، وہ انبیاء کا نہیں، بلکہ خدا کا کلام ہے، کیونکہ اس علم کے پانے مین ان کا عملِ تفکیر یا قوتِ ذہنی یا تجربہ و مشاہدہ کام نہین کرتا، بلکہ وہی پاتے ہیں، جو اُن کو اوپر سے دیا جاتا ہے، اور وہی سنتے ہین، جو آسمان سے سنایا جاتا ہے[1]، یہ یہود و نصاریٰ کی سنی سنائی باتون اور رائج الوقت افسانون کا مجموعہ نہیں ہوتا، (نعوذ باللہ تعالیٰ)

انبیاء کے علم کا ماخذ انبیاء علیہم السلام کی یہ دونون علمی قوتین انسانون سے ماخوذ نہیں، اور نہ وہ انسانون

[1] اس اجمال کی پوری تفصیل سیرۃ النبی صلعم کی تیسری جلد مین ہے، قرآن پاک کی آیتین، اور ائمہ کے اقوال بھی اس مین درج ہین،

کی سُنی سُنائی باتون کو دہراتے ہین، وہ خدا سے علم حاصل کرتے ہین، اور غیب کے خزانہ سے پاتے ہین، چنانچہ قرآن پاک مین اللہ تعالیٰ نے بتصریح فرمادیا ہے، کہ وہ کیونکر انبیاء علیہم السلام کو اپنے حکم و اطلاع سے باخبر کرتا ہے،

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ	اور کسی آدمی کی تاب نہین کہ اللہ اوس
اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ	سے روبرو کلام کرے، لیکن یہ کہ وہ الہام
يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ	کردے، یا پردہ کے پیچھے سے بات کرے
مَا يَشَآءُ ۭ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ.	یا کوئی قاصد بھیجے، جو اللہ کے حکم سے اللہ
(شوریٰ-۵)	کی مشیت کا پیغام اس کو پہونچادیتا
	ہے، اللہ کی شان بڑی ہے، اور وہ

ان آیتون میں صاف تصریح ہے، کہ اللہ تعالیٰ کسی بشر سے یون باتین نہیں کرتا، بلکہ اپنی باتون سے دوسرون کو مطلع کرنے کے لئے وہ تین طریقون سے کام لیتا ہے،

۱- الہام اور القا یعنی آواز اور قاصد کے بغیر خود بخود بلا واسطہ وہ قلب مین ڈال دیتا ہے، یا یون کہئے کہ وہ اُس علم کو قلبِ انسانی میں پیدا کر دیتا ہے، اوس کو احادیث مین نفث فی الروع کہا گیا ہے،

۲- دوسرا طریقہ یہ ہے کہ پردہ کے پیچھے سے یعنی غیب سے کوئی آواز آتی ہے جسکو نبی سنتا ہے لیکن بولنے والا نظر نہین آتا،

۳- تیسرا طریقہ یہ ہے، کہ فرشتہ یا قاصدِ الٰہی نبیوں کے پاس خدا کا پیغام لیکر آتا ہے، اور وہ ان کو سیکھا اور بتایا جاتا ہے، یا قلب مین اُتارا جاتا ہے،

نکتہ:- آیت بالا کا اخیر ٹکڑا، جس مین اللہ تعالیٰ کی رفعتِ شان اور حکمت بینی کا ذکر ہے،

اس موقع پر خاص اہمیت رکھتا ہے، اللہ تعالیٰ کی شان کی بلندی اور علو و رفعت تو اس کی مقتضی ہے، کہ کسی بشر کی یہ مجال نہ ہو، کہ اللہ تعالیٰ اسکو اپنے کلام کا شرف بخشے، کہ وہ علیؔ ہے، لیکن چونکہ وہ حکیم بھی ہے اسلئے اس کی حکمت اور مصلحت کا اقتضا یہ ہے، کہ بندون کو اپنے علم کی اطلاع بخشے، اس لئے اس نے اپنی رفعت اور بلندی کے باوجود بمقتضائے حکمت وحی کے یہ تین طریقے پیدا کئے جن کے ذریعہ سے وہ اپنے علم ومشیئت سے بندگانِ خاص کو آگاہ فرماتا ہے،

احکام الٰہی وحی کے ان تینون طریقون سے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے ہین یعنی وحی بلاآواز و واسطہ، اور وحی بآواز غیب، اور وحی بذریعہ قاصد و فرشتہ، چنانچہ قرآن پاک مین انہی اوپر کی آیتون کے بعد اون سے متصل ہی ارشاد ہے،

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا	اور اسی طرح ہم نے تیری طرف اپنے
مِّنْ اَمْرِنَا مَا كُنْتَ تَدْرِيْ	دین کی روح[1] (قرآن) وحی کی، تو پہلے
مَا الْكِتٰبُ وَلَا الْاِيْمَانُ وَلٰكِنْ	جانتا بھی نہ تھا، کہ کتاب کیا ہے، اور
جَعَلْنٰهُ نُوْرًا نَّهْدِيْ بِهٖ مَنْ	ایمان کیا چیز ہے، لیکن ہم نے اس کو روشنی
نَّشَآءُ مِنْ عِبَادِنَا،	بنایا ہے، جس سے اپنے بندون مین سے
(شوریٰ)	جس کو چاہتے ہین راہ دکھاتے ہین،

یہ آیت وحی کے اقسام ثلاثہ کو جامع ہے، (تفسیر روح المعانی مین ایک قول) اب خاص قرآن پاک کی نسبت آیتین ملاحظہ ہون،

سورۂ بقر مین ہے :-

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ	کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (تو ہو)

[1] بعضون نے رُوحًا کی تفسیر رحمتہ سے کی ہے،

نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ،	اس سے قرآن کی صداقت پر حرف نہین
(بقرہ)	آتا) کیونکہ اوس نے (اے محمد) تیرے قلب
	پر خدا کے حکم سے اس قرآن کو اتارا ہے،
وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ نَزَلَ	یہ قرآن سارے جہان کے پروردگار
بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ	کی طرف سے اترا ہے، اوس کو روح
لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ بِلِسَانٍ	الامین فرشتہ لیکر تیرے قلب پر اترا تاکہ
عَرَبِيٍّ مُّبِيْنٍ،	تو عربی زبان مین خدا کا ڈر سنانے والون
(شعراء)	مین سے ہو،
وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰيَةً مَّكَانَ اٰيَةٍ وَّاللّٰهُ	اور جب ہم ایک حکم کی جگہ دوسرا حکم رکھتے ہین
اَعْلَمُ بِمَا يُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ	اور خدا زیادہ جانتا ہے جس کو وہ اتارتا
مُفْتَرٍ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝	ہے، تو یہ کافر کہتے ہین، کہ تو خدا کے نام سے
قُلْ نَزَّلَهٗ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ	بنا کر لاتا ہے، (خدا پر افترا کرتا ہے) یہ
رَّبِّكَ بِالْحَقِّ،	لوگ جہالت سے ایسا کہتے ہین، اے رسول
(نحل ۱۴)	ان کے جواب مین کہہ کہ روح القدس نے
	تیرے پروردگار کی طرف سے سچائی کے

[illegible]

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوتا ہے :-

فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوْحٰى، (طٰہٰ)	جو وحی کیا جاتا ہے، اس کو سن،

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد ربانی ہے :-

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ	اپنی زبان کو اس غرض سے قرآن کے

ثُمَّ إِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهُ وَقُرْآنَهُ، (قیامہ)

الفاظ کو (سنکر) مت ہلا کہ اس کو جلدی سے لے لے، ہم پر ہے اس کا یاد کرانا اور

ان تمام آیتون سے ظاہر ہے، کہ قرآن پاک فرشتۂ الٰہی کے ذریعہ سے محمد رسول اللہ صلعم کے قلب مبارک پر اترا، اور گوش مبارک مین بھی آیا، اس کے معلومات کا سرچشمہ انسانی قصص وحکایات اور بشری علم وتجربہ اور سوجھ بوجھ نہین ہے، اب خاص قصص قرآنی کی نسبت ہم کو دیکھنا ہے، کہ کیا قرآن پاک اس کا ماخذ یہود ونصاریٰ کی سنی سنائی باتون کو قرار دیتا ہے، یا فیضان الٰہی اور تعلیم ربانی کو،

حضرت یوسف علیہ السلام کے قصہ کے شروع مین ہے،

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ قُرْآنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ أَحْسَنَ الْقَصَصِ بِمَا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ هَٰذَا الْقُرْآنَ وَإِن كُنتَ مِن قَبْلِهِ لَمِنَ الْغَافِلِينَ (یوسف)

ہم نے قرآن کو عربی مین اُتارا ہے تاکہ تم سمجھو، ہم تم کو اچھی طرح بیان کرکے ایک قصہ اس لئے سناتے ہین، کہ ہم نے تمھاری طرف قرآن کو وحی کیا ہے، اور تم اس سے پہلے ناواقف تھے،

آخر میں ہے:۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ، (یوسف)

یہ غیب کی باتون مین سے ہے ہم تھاری طرف اوس کو وحی کرتے ہین،

حضرت موسیٰؑ کے قصہ میں ہے:۔

وَمَا كُنتَ ثَاوِيًا فِي أَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا وَلَٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِينَ وَمَا كُنتَ بِجَانِبِ الطُّورِ إِذْ

اور تو مدین کے رہنے والون مین سے نہ تھا اُن پر تو ہماری آیتون کو پڑھتا تھا، لیکن ہم ہین بھیجنے والے، اور تو طور کے کنارے

نَادَيْنَا وَلَٰكِن رَّحْمَةً مِّن رَّبِّكَ لِتُنذِرَ قَوْمًا مَّا أَتَاهُم مِّن نَّذِيرٍ مِّن قَبْلِكَ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُونَ (قصص)

نہ تھا جب کہ ہم نے پکارا، لیکن تیرے پروردگار کی رحمت سے تاکہ تو اس قوم کو ڈرائے، جس کے پاس ڈرانے والے نہین آئے، تجھ سے پہلے، تاکہ وہ نصیحت

اسی قصہ کے موقع پر خدا فرماتا ہے،

نَتْلُو عَلَيْكَ مِن نَّبَإِ مُوسَىٰ وَفِرْعَوْنَ بِالْحَقِّ، (قصص)

ہم موسیٰ اور فرعون کا قصہ سچائی کے ساتھ تم کو سناتے ہین،

حضرت مریمؑ کے قصہ مین ہے:۔

ذَٰلِكَ مِنْ أَنبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ وَمَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُونَ أَقْلَامَهُمْ، (آل عمران - ۵)

یہ غیب کی خبرون مین ہے، ہم اوس کو تمھاری طرف وحی کرتے ہین، اور تم جب وہ لوگ اپنے قلم (قرعہ کے لئے) ڈال رہے تھے، ان کے پاس نہ تھے،

دیکھا کہ قرآن پاک نے اپنے قصص کا ماخذ انسانی ذرائع کو نہین، بلکہ ربانی سرچشمۂ علم اور غیب کی طاقت کو بتایا ہے،

آخر مین ہم ایک "مسلمان" کی عبرت کے لئے مولانا شبلی مرحوم کی کتاب سے ایک بیان نقل کرتے ہین، جس سے یہ معلوم ہوگا، کہ ایک "زبردستی کے مسلمان" نے جو بات کہی ہے، وہ حرف بحرف عیسائیون سے ماخوذ ہے، اور اس کا جواب ایک "جنم کے مسلمان" سے بہتر ایک نومسلم فرنچ نے دیا ہے،

"عیسائیون نے اس بات کے ثابت کرنے کے لئے بہت کوشش کی کہ انحضرتؐ پڑھے

لکھے تھے، تورات اور انجیل سے واقف تھے، اور جرجیس نام ایک عیسائی سے تعلیم حاصل کی تھی، اگر یہ صحیح ہے، تو خدا کی نسبت آنحضرتؐ کا یہ خیال پیدا ہونا اور بھی زیادہ بعید بلکہ محال تھا، کیونکہ اس زمانہ کی تورات و انجیل اور عیسائی معلم اسی خدا کی تلقین کر سکتے تھے، جو خود ان کا خدا تھا، فرانس کا مشہور فاضل کانٹ ہنری دی کاستری اپنی کتاب اسلام مین لکھتا ہے:

"ان روایات کا پتہ لگانا جن سے یہ ثابت ہو کہ محمد صلعم نے عیسائیون، یہودیون، اور ستارہ پرستون کے عقائد بالمشافہہ حاصل کئے تھے، فائدہ سے خالی نہین، کیونکہ اس سے اُن مقامات کی تشریح ہوتی ہے، جہان قرآن اور تورات کی آیتین ہم مضمون ہین، لیکن پھر بھی یہ درجۂ دوم کی بحث ہے، کیونکہ گو یہ فرض کر لیا جائے، کہ قرآن آسمانی کتابون سے ماخوذ ہے، لیکن یہ مشکل حل نہین ہوتی، کہ محمدؐ مین یہ مذہبی روح کیونکر پیدا ہوئی، اور وحدانیت کا ایسا مضبوط اعتقاد کیونکر پیدا ہوا، جو اُن کے جسم و روح پر بالکل چھا گیا"

یہی مصنف آگے چل کر لکھتا ہے:-

"یہ محال ہے کہ یہ اعتقاد تورات اور انجیل کے مطالعہ سے پیدا ہوا، اگر محمدؐ نے ان کتابون کو پڑھا ہوتا، تو ان کو اٹھا کر پھینک دیا ہوتا، کیونکہ وہ ان کی فطرت اور وجدان اور مذاق کے مخالف تھیں، اس قسم کے اعتقاد کا محمدؐ کی زبان سے ادا ہونا، ان کی زندگی کا سب سے بڑا معجزہ ہے، اور وہی اس بات کی دلیل ہے کہ وہ رسول صادق اور پیغمبر مامون تھے"

(الکلام صفحہ ۱۳۲)

آخری سوال یہ ہے کہ خود محمد رسول اللہ صلعم نے جو مخاطب کے نزدیک صادق اور راستباز تھے، اس قرآن کی نسبت کیا دعوی کیا ہے، آیا یہ کیا ہے، کہ وہ میری بنائی ہوئی انسانی کتاب ہے،

یا یہ کہا ہے، کہ وہ حرف بحرف اللہ تعالی کا فرمودہ ہے، جو محمد رسول اللہ صلعم کے ذریعہ انسانون کو ملا ہے، اس بحث کے فیصلہ کے لئے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کرنا کافی ہوگا،

قرآن پاک کا دعوی کہ وہ خدا کا کلام ہے، سورۂ بقرہ مین یہود کے تذکرہ مین ہے کہ وہ خدا کا کلام سننے کے بعد اس مین تحریف کرتے تھے،

وَقَدْ كَانَ فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُونَ كَلَامَ اللَّهِ ثُمَّ يُحَرِّفُونَهُ مِن بَعْدِ مَا عَقَلُوهُ وَهُمْ يَعْلَمُونَ ٥ (بقرہ)

یہودیون مین ایک گروہ ہے، جو اللہ کے کلام کو سن کر پھر اوس مین تحریف کرتے ہین، اس کے بعد کہ اس کو سمجھ چکے، وہ وہ جانتے ہین،

کلام اللہ سے مراد ظاہر ہے کہ قرآن پاک ہے، جس کو سن کر اور سمجھ کر یہودیون کا ایک گروہ اس کے لفظون اور معنون مین تحریف کرتا تھا، اور اوس کو یا تو اپنے غلط مقصد کے مطابق بنانا چاہتا تھا، یا اوس سے خلافِ مقصود معنی نکال کر اس پر اعتراض کیا کرتا تھا،

کوئی یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ یہان کلام اللہ سے مراد تورات ہے، یہود اس کے مطلب مین تحریف کرتے تھے، مگر اس سے مسلمانون کے استدلال مین کوئی فرق نہین آتا، کیونکہ کلام اللہ ہونے مین تورات اور قرآن، اور تمام دوسرے صحفِ الٰہی برابر کے شریک ہین، جو معنی ایک کے کلام اللہ ہونے کے ہین، وہی سارے صحفِ الٰہی کے کلام الٰہی ہونے کے ہین،

سورہ فتح مین اللہ تعالی اپنے ارشاد مبارک کو جو قرآن پاک مین وعدہ کی صورت مین وارد ہوا تھا، کلام اللہ فرمایا ہے،

يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ (فتح)

وہ چاہتے ہین کہ اللہ کے کلام کو بدل دین،

یعنی منافقین جو غزوہ سے پیچھے رہ گئے تھے، وہ چاہتے ہین، کہ ارشادِ الٰہی کو بدل دین،

۳۔ کفار جو گرفتار ہو جائین، ان کو قرآن سنا کر تبلیغ کا فرض ادا کرنا چاہئے،

فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ (توبہ) تو تم اس کو پناہ دو یہان تک کہ وہ خدا کا کلام سُن لے،

۴۔ قرآن پاک کی نسبت بار بار اعلان ہے کہ وہ خدا کی طرف سے اترا ہے،

تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ، (واقعہ) پروردگار عالم کا اتارا ہوا،

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (شعرا) یہ قرآن بیشک پروردگار عالم کا اتارا ہوا ہی،

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ (زمر و جاثیہ) غالب و حکمت والے خدا کی اتاری ہوئی کتاب

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ (مومن) غالب و دانا خدا کی اتاری کتاب

تَنْزِيْلَ الْعَزِيْزِ الرَّحِيْمِ، (یسین) اوس غالب رحم والے کا اتارا ہوا،

تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ، (فصلت) رحمت والے رحیم کا اتارا ہوا،

تَنْزِيْلٌ مِّنْ حَكِيْمٍ حَمِيْدٍ، (فصلت) حکمت والے خوبیون سے بھرے ہوئے کا اتارا ہوا،

(باقی)

حدائق البیان فی معارف القرآن

اس کتاب میں قرآن مجید کے متعلق بہت سے لفظی اور معنوی مباحث درج کئے گئے ہین، جن سے عام و خاص سب فائدہ اٹھا سکتے ہین، اور قرآن مجید کے متعلق بہت سے معلومات حاصل کر سکتے ہین قیمت ۱۲؍ ضخامت ۴۴۲ صفحے،

"منیجر"

کشفُ المُغلقات

از

جناب سید شرف الدین احمد صاحب بی اے ایل ایل بی وکیل گیا

اس حقیقت سے کم لوگ ناواقف ہون گے، کہ یورپ کے لغویین نے بہت سی کتابین ایک زبان کے دوسری زبان سے صلہ و تعلق پر لکھی ہین، لیکن یہ جاننے والے بہت زیادہ نہیں کہ ان کتابون مین سے کن مضمون کی کتابون کو حسنِ قبول حاصل ہوا، یونانی زبان اور اس کے ان کلماتِ مجانستہ پر جو دوسری زبانوں کے ہین سب سے اچھی کتاب امیل بوزاق (Emil Boisacq) کی ہے، لاطینی زبان کے ماخذ، صلات اور دخیل الفاظ کی تحقیق پر مشہور جرمن مصنف اے والڈی (A. Walde) کی تصنیف اچھی ہے، جن لوگوں نے اس موضوع پر عربی اور دوسری زبانوں میں کتابیں لکھی ہین، ان میں ہرمان ملر (Hermann Moller) کو سب پر فضیلت حاصل ہی، اس نے ایک لغت تصنیف کیا ہے، جس کا نام ہماری زبان میں "ہندی جرمانی اور سامی زبان کے مشترکہ الفاظ" ہو سکتا ہی،[1] اس اعتراف کے باوجود کہ ان لوگون نے الفاظ کی تحقیق اور مباحث کی تدوین مین اپنی ساری کوشش صرف کر دی ہے، یہ کہے بغیر نہیں رہا جاسکتا، کہ ان لوگون نے عدنانی زبان کی تحقیق و استقصا

---

[1] جرمن زبان میں اس کا پورا نام یہ ہے،-Vergleichendes indogermanisch-semitisches worter buch یہ لغت Gottingen میں vandenttoeck & Ruprecht 1911 سے شائع ہوا ہے،

کی جانب سے آنکھیں بند کرلی ہیں، اور یہ زحمت گوارا نہیں کی کہ دوسری زبانوں کی طرح عدنانی زبان کی تحقیق و تدقیق میں بھی وہ کاوش سے کام لیتے، اور اوس کے چھپے ہوئے خزانوں اور قیمتی موتیوں کو نکال کر منظر عام پر لاتے، اگر وہ دیانت داری اور تحقیق سے کام لیتے، تو ان کی زبانیں بھی اس اعتراف میں گونگی نہیں رہ سکتی تھیں، کہ عربی زبان کو تمام دوسری لغتوں پر فوقیت کا درجہ حاصل ہے، لیکن ان میں اتنی وسعت قلب کہاں کہ وہ عربی زبان کی لسانی تحقیق کو بھی مرکز توجہ بناتے، یا اس میں دیانت داری سے کام لیتے، اس راہ میں انھوں نے جو دانستہ یا نادانستہ غلطیاں کی ہیں، ان کی تفصیل پیش کرنا دشوار ہے، اس مضمون میں صرف نمونۃً چند مثالیں پیش کیجاتی ہیں، اس سے عربی زبان کے بارہ میں ان کی تحقیق و دیانت کا اندازہ ہوگا،

۱- **هَبَطَ و حَطَّ** :- علمائے تاریخ کا خیال ہے کہ ابتداءً انسان پہاڑ کی چوٹیوں پر کھوہ اور غاروں میں رہتا تھا، کیونکہ پوری زمین پانی سے ڈھکی ہوئی تھی، اور قدم رکھنے کے لئے بھی خشک جگہ نہ ملتی تھی، جب پانی کم ہونے لگا، اور خشک زمین دکھائی دینے لگی، اس وقت وہ اپنے بلند مساکن سے نیچے اُترنے لگا، یہاں تک کہ بنجر اور قابل زراعت زمینوں تک اسکی رسائی ہوئی، اور وہ ان پر آباد ہوگیا، اسی کو عرب قدیم زمانہ سے بولتے آئے ہیں،

هَبَطَ الرجُلُ الرجُلَ مِنَ الجبل يهبطه هَبْطًا مِنْ باب نصر بمعنى أنزله وهبط فلان كذا دَخله أو ادخله، لازم ومتعد وهبط الرجل يهبط (بالضم) ويهبط (بالكسر) هبوطًا نزل	هَبَطَ الرجل الرجل من الجبل کے معنی ہیں، فلاں نے فلاں کو پہاڑ سے نیچے اُتارا (باب نصر سے) هبط فلاں کذا کے معنی ہیں کہ فلاں اس جگہ داخل ہوا یا داخل کیا، اس صورت میں لازم اور متعدی دونوں ہوگا، هبط الرجل يهبط (مضموم العین اور

وَالوادِی نزلہ، وَمن موضع الی موضع انتقل،	مکسور العین) فلاں شخص اترا، هبط الوادی کے معنی ہوئے وادی میں اترا، هبط من موضع الی موضع ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوگیا

(اقرب الموارد)

لسان العرب میں ہے :-

الهبُوط نقیض الصعود وهبط هبُوطًا اذا انهبط فی هبوط مِنْ صعود، نزل،	هبوط، صعود کا نقیض ہے، هبط، هبوطًا یا انهبط فی هبوط کے معنی بلند جگہ سے ڈھلوان زمین میں اترا،

آگے چل کر لکھتے ہیں :-

والهبوط مِنَ الارض الحدور وقال الازهری الفرق مابین الهبوط والهبوطات الهُبوط اسم للحدور هو الموضع الذی يهبط من اعلى الى الاسفل والهُبوط المصدر و الهبطة ما تطامن مِنَ الارض وهبطنا ارض كذا ای نزلناها،	هبوط کے معنی اونچی زمین سے اُترنا، ازہری نے هَبوطًا اور هُبوطًا کے درمیان فرق یہ بتایا ہے، کہ هبوطًا علی سبیل الاسمیہ ڈھلوان زمین کو کہتے ہیں، اور هُبوط مصدر ہے، هبط برابر زمین کو کہتے ہیں، هَبطنا ارض کذا کے معنی ہوئے ہم اس زمین میں اترے یا ٹھہرے،

(لسان العرب الجزء التاسع ص۳)

ان تشریحوں سے پتہ چلتا ہے، کہ یہ الفاظ انسان کی اس ابتدائی زندگی کی، جب کہ وہ پہاڑوں پر رہتا، اور پانی کم ہونے کے بعد وادی اور سہل زمینوں میں اترتا تھا تعبیر ہے،

اب دیکھئے لاطینی کا ایک لفظ Habitare ہے جس کے معنی سکونت پذیر ہونے یا

بود و باش اختیار کرنے کے ہین، والڈی (Walde جرمن) اور اس کے متبعین کا خیال ہے، کہ یہ اصل میں Habere تھا، جس کے معنی کسی چیز کو حاصل کرنے، فتح پانے اور قابض ہونے کے ہین، اس رائے کی اکثرون نے تائید کی ہے، ان موئدین مین میشل بریال کا نام سرفہرست ہے، یہ ایک متبحر لغوی تھا، اس نے اپنے لغت لاطینی الفاظ کے مصادر واصول[1] کے گیارہوین اڈیشن کے صفحہ ۱۲۱ میں اس خیال کی تائید کی ہے،

لیکن دونوں لفظون کے ملانے سے صاف معلوم ہوتا ہے، کہ یہ لفظ اس سے مشتق نہیں، انھون نے سراب کو دیکھکر پانی سمجھا، اگر وہ اس تحقیق مین سیدھی راہ اختیار کرتے، تو یہ فاش غلطی نہ ہوتی، Habere اور Habitare میں آسمان وزمین کا فرق ہے، Habere میں حرف H کے تلفظ کا کوئی وجود نہیں، جس کی وجہ سے دونوں کی طرز ادا میں نمایاں فرق ہے، اس کے برعکس عربی کے لفظ ھبط اور Habitare قریب المخرج ہین، نیز اوس کے معنی بھی وہی ہین، جو اس لاطینی لفظ کے ہین، بلکہ عربی لفظ کی معنوی وسعت اسکی دلیل ہے، کہ یہ لفظ وسیع دریا کا ایک قطرہ ہے Habitare کو جس لفظ سے مشتق بتایا جاتا ہے، اس کے معنی کسی چیز کو حاصل کرنے یا فتح کرنے کے ہین، جو آباد ہونے کے معنی میں اگر لیا بھی جاسکتا ہے، تو چند در چند اضافی معنون کے بعد، ہر مفتوحہ چیز اپنی تنگی مکان کے باعث اتنی وسعت نہیں رکھتی، کہ مسکن بن سکے، پھر محض وسعت سے مسکن ہونا بھی لازم نہیں آتا، اور عربی کے لفظ کے معنی گویا آباد ہونے کے ہین، اسلئے کہ ابتدائی زندگی مین جو لوگ پہاڑو[ن]

---

[1] اس ڈکشنری کا اصل نام Dictionnaire etymologique latin (فرنچ لفظ) ہے، اس کا گیارھوان اڈیشن Librairie hachette 76 Boule[vard] Paris کا مطبوعہ میں دیکھا تھا، یہ کتاب Michel Breal اور Anatole Bailly اور St Germain دونوں کی مشترک تصنیف ہے ۱۲۰

سے اُتر کر زمین پر آئے، وہ آباد ہی ہونے کے لئے آئے، اور اس وقت کی ضروریات کے لحاظ کے اس یقین کے کسی گوشہ مین یہ شبہہ جگہ نہین پاسکتا، کہ وادی کا اترنا بعد کی ضرورت (یعنی سکونت پذیر ہونے کے لئے ہے) تھی، الفاظ کی الجھی ہوئی گتھیوں میں عربی زبان عقدہ کشائی کا فرض انجام دیتی ہے، اس لئے جن لوگون نے کشف مغلق کے باب مین اس کی طرف رجوع نہیں کیا ہے، ان کو اسی طرح کی گمراہی سے دوچار ہونا پڑا ہے، اس حقیقت سے وہی انکار کرسکتا ہے، جس کی آنکھیں تعصب نے بند کردی ہون، یا وہ یہ تسلیم کرنا چاہتا ہو، کہ عربی زبان ہی مشکلات وغوامض کو کھول سکتی ہے،

اس سلسلہ میں یہ بھی قابلِ ذکر ہے، کہ "ہبط" بھی دراصل "حطّ" ہی تھا، جس کے معنی نیچے اُترنے کے ہین، لسان العرب مین ہے،

الحَطّ الوضع، حَطّہ، یحُطّہ، فانحطّ والحطّ وضع الاحمال من الدّوابِ تقول حططت عَنْہا، وفی حدیث عمر اذا حططتم الرّحال فشدّوا السّرُوج،	حطّ کے معنی اُترنا یا اُتارنا حط یحط فانحط کے معنی یہ ہوئے کہ جانورون کی پیٹھ پر سے بوجھ اُتارا، عرب بولتے ہیں، حططت عنہا یعنی مین نے بوجھ اُتار لیا حضرت عمرؓ کی حدیث مین ہے، کہ اذا حططتم الرّحال فشدّ والسروج یعنی جب اونٹون کی پشت سے کجاوے اُتار لو، تو گھوڑون پر زین کسو،
(ص ۲۴۷، لسان العرب ج ۹ حطط)	

آگے چل کر لکھتے ہین:۔

والیة محطوطة لاما کمة لہا د	البتہ محطوطہ کے معنی وہ سُرین جس پر گوشت

والحطوط الاکمة الصعبة الا نحدارو قال ابن دُرَیْد الاکمة الصعبة فلم یَذ کرارتفاعًا وَلا انحدارًا والحط الحدَر من علو حطّہ یحطہ حطًا فانحط و انشد، کجلمودِ صخرٍ حطہ السَّیلُ من علٍ وقال الازهری الفعل اللازم الانحطاط و یقال للهبوط حطوط،

نہ ہو، حطوط کے معنی وہ ٹیلہ جس سے اترنا مشکل ہو، ابن درید نے اس کے معنی صرف سخت ٹیلہ کے بتائے ہیں جس میں اونچائی یا نیچائی کا کوئی تذکرہ نہیں، حط کے معنی اوپر سے نیچے اوتارنا، حط یحط فانحط، شعر کجلمود صخر حطہ السّیل من علٍ[ه] میں اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، ازہری کا خیال ہے کہ فعل لازم انحطاط ہے، اور ہبوط کے معنی میں بھی آتا ہے،

(لسان العرب ص ۲۴۳ ، الجزء التاسع)

ہم ہبطؔ کو حطؔ سے مشتق اسلئے بتاتے ہیں، کہ ہر فعل ثلاثی کے لئے ضروری ہے، کہ کوئی فعل ثنائی اس کا مرجع ہو، یعنی آسان سے آسان لفظ کی طرف راجح ہو، جس کے ادا کرنے اور بولنے میں پوری سہولت ہو، پس ہبطؔ سے پہلے اس معنی میں "حطؔ" استعمال ہوا، کہ یہی زیادہ سہل الادا تھا، اس کے بعد عربوں نے اس سے "حبط" کو مجازی معنی اور "ہبط" کا حقیقی معنی میں اشتقاق کیا، "حبط عملہ" کے معنی ہیں، اس کا عمل باطل ہو گیا، یعنی بھلائی کے بلند مرتبہ سے نیچے آگیا، جو "ہبط" کے مشروحہ معنی کے لحاظ سے یقیناً مجاز ہے،

۳۔ فلتۃ ۔ ہ ۔ فتق غلطی یا گناہ کرنے کے معنی میں لاطینی میں لفظ "Peccare" ہے،

[ه] یہ امرء القیس کے شعر کا مصرعہ ہے، پورا شعر یہ ہے،

مکرٍ مفرٍ مقبلٍ مدبرٍ معا کجلمودِ صخرٍ حطہ السیل من علٍ

لیکن کوئی یقینی طریقہ پر نہیں بتا سکا کہ یہ لاطینی زبان میں کہاں سے دخیل ہوا، والڈی اس کو یونانی الاصل بتاتا ہے، وہ کہتا ہے کہ یہ یونانی لفظ Dipto کے مجانس ہے، جس کے معنی "گرنا" ہیں، لیکن جس کو مقابلہ لغات اور تحقیق مصادر کا ذرا بھی ذوق ہوگا، وہ اسکی تائید نہیں کرسکتا، اناطول بیلی اور میشل بریال کا خیال والڈی کے برعکس ہے، وہ لکھتا ہے:-

"ہوسکتا ہو کہ یہ لفظ "Delinquo" جس کے معنی سہواً اہمال اور Pecco سے جس کے معنی حقیقی اور جانی بوجھی غلطی کے ہیں، بنایا گیا ہو، اس لفظ کی اصلیت پردہ خفا میں ہے یقین کے ساتھ نہیں کہا جاسکتا، کہ اس کا ماخذ کونسی زبان ہے، البتہ لغت انبریہ[ل] (Umbri) میں ایک لفظ Peccaton ملتا ہے، جس کے معنی بالکل وہی ہیں، جو لاطینی میں Peccaton کے ہیں، جس سے خیال جاتا ہے، کہ لاطینی میں جو "C" مشدد استعمال ہوا ہے، وہ رسم الخط کے اختلاف کا نتیجہ ہے، اور کوئی دوسری خصوصیت پنہاں نہیں ہے جس طرح Buccina میں ڈبل سی (C C) صرف رسم الخط کی بنا پر ہے،

میرا خیال ہو کہ مشکلات کی یہ گرہیں اگر کھولی جاسکتی ہیں، تو وہ عربی زبان کی رہنمائی سے لفظ Peccare کے آخر سے جو لاطینی زبان کا لفظ ہے، علامت مصدری[ٹ] "Re" کو حذف کردو تو "Pecca" رہ جائے گا، اسی طرح اگر "Peccatum" کے آخر سے "Tum" کو حذف کردو

[ل] انبریہ اس زبان کو کہتے ہیں، جو اٹلی کے ایک خطہ امبریہ میں بولی جاتی ہے، جس کے شمال میں بحر اڈریاٹک ہے، اور مشرق میں پسینم جنوب میں دریائے "ناز" اور مغرب میں "اترو دریا" ہے،

(ہینٹس کلاسیکل ڈکشنری)

[ٹ] لاطینی زبان میں "Re" ، "are" ، "ere" اور "ire" ہے، "Peccare" مصدر ہے اس کا ماضی "Peccavi" ہے "Peccatum" ہے، ۱۲،

تو Pecca ہو ہے گا، اب مقابلہ کرو کہ لاتینی کے Pecca اور عربی کے فک میں کیا فرق ہے، یہ لفظ غلطی کرنے کے معنی میں اس طرح دخیل ہوا، کہ "فک الشی" کے معنی ابان بعضہ بعضاً کے ہین، اور غلطی یا گناہ سے درحقیقت خدا اور معبود کا رشتہ منقطع اور منفک ہو جاتا ہے،

لیکن اگر کوئی "فی" سے مشتق قرار دے، تو اصول قیاس کی خلاف ورزی نہیں ہے "فی" کے معنی کھولنے کے ہین، اور خدا کے رشتہ کا معبود سے کھلنا وہی حقیقت ظاہر کرتا ہے، جو "فک" ہی لاتینی مین Pecca اور Peccatum وغیرہ ہو گیا،

میرے دعوی کو مغربی علمار کے اس قول سے بھی تقویت پہونچتی ہے کہ مذہب یا دیانت کیلئے ان کی زبان میں لفظ Religione استعمال ہوتا ہے، یہ لفظ کلمہ اور ایک آداۃ سے مرکب ہے، حرف Re کے معنی بار بار دوبارہ اعادہ، تکرار اور باردگر کے ہیں، اور Ligo لفظ Ligano سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ملانے باندھنے اور سخت اتصال کے ہین، گویا دین کے معنی ان کی زبان میں خدا اور انسان معبود و عاصی میں گہرے مضبوط و مستحکم تعلق کے ہین، پس اگر دین کے معنی خدا اور بندہ سے قوی اور شدید تعلق کے ہین، تو یقیناً گناہ اس رشتہ کے "فک" یا انفکاک کا نام ہوا، اور جب ایسا ہے، تو دونون صورتون مین Peccare کا اشتقاق "فک" ہی سے صحیح ہے، کہ "فک" کے معنی تعلق کے منقطع ہونے کے ہین، اور Peccare کے معنی گناہ کرنے کے ہین، جو ایک نوع کا انقطاع تعلق ہے،

۵ - **الکلفۃ** :۔ صوفیاے کرام وسالکان طریقت کا خیال ہو کہ نفس جب گناہون کی آلایشوں سے ملوث ہو جاتا ہے، تو اس میں ایک قسم کی گندگی اور میل پیدا ہو جاتا ہے، لیکن نفسانی میل اور غبار کا حال وہ نہیں ہے، جو جسمانی گندگیون اور مادی نجاستون کا ہے، جسمانی گندگیان ہماری ان آنکھوں کو نظر آسکتی ہیں لیکن روحانی گندگیان مادی آنکھون سے دیکھی نہیں جا سکتین،

البتہ اس کا ظاہری اثر جسم اور سیرت دونوں پر پڑتا ہے، جس سے نفسانی عیوب کا پتہ لگایا جاسکتا ہو، اس مفہوم و معنی کے لئے لاتینی زبان میں لفظ Culpa مستعمل ہو، جو میرے خیال مین عربی کے "کلفۃ" سے ماخوذ ہے، "فقہاے لغت" کا خیال ہے کہ یہ لفظ مادی ضرر اور شر کے معنی سے مشتق ہے، جیسا کہ ورجیل کے قصائد سے معلوم ہوتا ہے،[1] اے والڈی کی تحقیق بھی اسی کے قریب ہی، لیکن ان خرافات سے بہتر تاویل یہی ہے، کہ اس کو "کلفۃ" سے مشتق قرار دیا جائے، کلفۃ کے معنی صاحب لسان العرب نے ان الفاظ مین بیان کئے ہین :۔

الکلف شئی یعلو الوجہ کالسمسم کلف وجھہ یکلف کلفاً وھو اکلف تغیّر والکلف والکلفۃ حمرۃ کدرۃ تعلو الوجہ وقیل لون بین السّواد والحمرۃ وقیل ھوَ سواد یکون فی الوجہ وقد کَلِف وبعیر اکلَف وناقۃ کلفاء وبہ کلفۃ کل ھٰذا فی الوجہ خاصۃ وھُوَ لونٌ یعلو الجلد فیغیر بشرتہ ....الخ،[2]

ترجمہ: کلف ان داغون کو کہتے ہین، جو تل کی طرح چہرے پر پڑ جاتے ہیں، کَلِفَ وَجْھُہٗ یکلف کُلْفاً کے معنی ہوئے چہرے کا رنگ بدل گیا، کلفۃ اس سرخ اور خاکستری رنگ کو کہتے ہیں، جو چہرے پر چھا جاتا ہے، بعضون کا خیال ہے کہ اس رنگ کو کہتے ہین، جو سیاہی اور سرخی کے درمیان ہو، کلف بعیر اکلف وناقۃ کلفاء وبہ کلفۃ، یہ سب چہرے کیلئے خاص ہیں یعنی ایسا اس وقت کہین گے، جب یہ رنگ چہرہ پر چڑھ جائے، اور

---

[1] انجم میشل بریال وانا طول باثلی ص ۳ ۱۵، کالم ۱، [2] اس لفظ کے سلسلہ مین بھی صاحب اللسان نے بہت طویل بحث کی ہے، مین نے موقع کے مطابق اقتباس کر لیا ہے، جو زیادہ تفصیل کا طالب ہو اس کو چاہئے کہ اصل لغت سے مراجعت کرے،

صاحب اللسان کی تشریح کے اس جملہ کو خاص طور پر سامنے رکھئے، کہ "یہ لفظ چہرہ کے تغیر رنگ کے لئے خاص ہو" صوفیاے کرام اور سالکین طریقت کا بھی یہی خیال ہے، کہ گناہ نفس کے ہر ہر عضو کو بالخصوص وجہ نفس کو خراب کر ڈالتا ہو، گندگیاں اس پر چھا جاتی ہین، اور چہرے پر بدی کا ایک نشان باقی رہ جاتا ہے، جس کو صرف توبہ و استغفار اور انابۃ الی اللہ کے ذریعہ دھویا جا سکتا ہے،

اس خیال کی اس سے بھی تائید ہوتی ہے کہ کہ "اہل عرب" ان آثار کو جب سورج مین دیکھتے تھے تو انکو غُرُف کے وزن پر "کلف" سے تعبیر کرتے ہیں، اور چونکہ آثار سورج کے ظاہری حصہ مین دیکھے جاتے ہیں، اسلئے وہی اس کا چہرہ ہوا، جو انسانی چہرہ سے استعارہ ہے، پس اگر "کلفۃ" سے "Culpo" روحانی نجاستون کے لئے ماخوذ کر لیا گیا تو کیا بعید ہے،

۲- **المحل** گناہ کا اثر جب نفس پر پڑتا ہو، اور اس کو گندگیوں سے آلودہ کر دیتا ہے اس وقت فطری چمک اور حسن کے علاوہ ایک خاص زنگ نفس پر چھا جاتا ہے، اس کو "کلفۃ" سے تعبیر کرتے ہین، اس کے علاوہ گناہ سے نفس میں برائی کا مزاج اور دوسرے گناہونکے قبول کرنیکی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہو اور انسان گناہ کرنے پر جری بلکہ حریص ہو جاتا ہے،[1] نفس کی اس کیفیت کے لئے لاطینی زبان مین لفظ "Malus" ہے، اگر یہ سوال کیا جائے کہ یہ لفظ کہان سے آیا، ؟ تو ایسے جوابات دین گے جس سے تشنۂ تحقیق کو تشفی نہیں ہو سکتی،[2] البتہ میشل بریال اور اناطول کو حق کا اعتراف کرنا پڑا، وہ اپنے لغت میں لکھتا ہو، کہ لفظ "Malus" جس کے معنی برائی کے ہین، لغت اُسقیہ[3] (Osque) میں "Mallo"

[1] دیکھئے حجۃ اللہ البالغہ، باب ارتباط الاعمال بالہیئات النفسانیۃ، و دیگر کتب تصوف - ۱۲ - [2] ای و الڈی کا لغت ص ۵۰۹، [3] متوسط اٹلی مین ایک قوم تھی، اس کی زبان کو "اُسقیہ" یا "اوسکی" کہتے ہین، یہ زبان وہان بہت دنوں تک بولی گئی، مگر پھر معدوم ہو گئی، اس کو درحقیقت لاطینی زبان کی ایک شاخ سمجھنا چاہئے ۱۲

(ہئیس کلاسیکل ڈکشنری)

ڈبل ال" کے ساتھ مستعمل ہے، لیکن اسکی اصل کا پتہ نہیں چلتا۔"

بلاشبہہ میشل بریال اور اناطول بائلی کا یہ اعتراف صداقت پر مبنی ہو، لیکن باوجود شوق تحقیق فاضل محققین نے عربی زبان کے چشمۂ فیض سے سیراب ہونا پسند نہیں فرمایا، ورنہ ان کو معلوم ہو جاتا کہ عربی زبان میں اس کے ہم زبان وہم مخرج وہم معنی لفظ "محل" موجود ہے، جو اس کا مخرج ہے،

اس اجمال کی تفصیل یہ ہو کہ "شر" اس تنگی و خشکی کو کہتے ہین، جو نفس میں خداوندی فیضان کے منقطع ہونے سے پیدا ہوتی ہے، اور جس میں بھلائی کا کوئی پودا نمو نہیں پا سکتا، "محل" کے معنی بھی یہی ہین، کہ زمین ایسی خشک اور خراب ہو جائے، جس میں کوئی پودا نمو پذیر نہ ہو سکے، جب "محل" کے معنی وہی ہوئے، جو (Malus) کے ہیں، تو کیا وجہ ہے، کہ اس کو عربی سے مشتق قرار نہ دیا جائے،

۷- **لطا - یلطو** - ابتدائی انسان حادثات طبعیہ سے اس لئے خوفزدہ رہتا تھا، کہ اسکے پاس ان سے بچاؤ کے سامان نہ تھے، چنانچہ جب سخت بارش یا کسی ایسی شے کو دیکھتا جس سے خوف طاری ہوتا تو وہ چٹانوں کے نیچے یا غاروں میں چھپ جاتا تھا،

اس چھپنے اور اختفار کے لئے لاطینی میں لفظ Lateo ہو، یورپ کے تمام محققین السنہ کا یہ فیصلہ ہو، کہ یہ لفظ یونانی الاصل ہے، اناطول نے اپنی کتاب میں اس لفظ کے تحت میں مفصل اور مدلل بحث کی ہی، ہم اوس کو یہان نقل کرتے ہین، تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ ایک امر محال کی تاویل مین کتنے محالات تسلیم کرنے پڑتے ہین، وہ لکھتا ہو:-

Id- لاطینی مین "Lateo" معنی" و استعمالاً یونانی لفظ Lethano کا ہم پلہ ہی،
meletet[1] کے وہی معنی ہیں جو یونانی ہیں "Youtome lanthanei"

[1] Latet لاطینی زبان کا صیغہ واحد غائب ہے اس کا مصدر Latere ہو، Lateo واحد متکلم

کے ہیں، اگرچہ O کی تبدیلی حسب اصول لاتینی Th سے صحیح نہیں، بلکہ صحیح یہ ہو کہ یونانی کے O (اس کا TH, E کا تلفظ کرو) کو سے جیسے Hera کہ دراصل Oera تھا بدلا جائے یا B سے جیسے Ruber یا D سے جیسے Medius کہ دراصل MEDIUS (th) تھا، لیکن جس طرح بعض شواذ الفاظ کی مثالیں ملتی ہیں، جیسے Pati جس کے معنی افسوس کرنے کے ہیں، اصل یونانی میں Epathon تھا، (حالانکہ ان تاویلات رکیکہ کی کوئی ضرورت نہیں، کسی لفظ کو شاذ بنایا نہیں جاتا، بلکہ شواذ الفاظ خود بخود مستعمل ہوجاتے ہیں، اور ان کی حقیقت نقل عموماً شائع ہوتی ہے) ماننا پڑے گا، کہ یہ بھی انہی شواذ کی طرح دخیل ہوا، جیسا کہ اکثروں کا خیال ہے، البتہ کورسن (Corssen) نے اپنی کتاب Beiträge, p. 790 میں Lateo کی تشریح یہ کی ہے، کہ یہ لفظ دراصل Lad-teo تھا، جو قدیم لفظ Lad-tuo سے مشتق ہے جیسے Egrettus یا Rutilus کہ دراصل Rud-TILUS تھا،

فاضل محقق نے اگر اس تحقیق میں عربی کی طرف رجوع کر لیا ہوتا، تو ان کو ان دوراز کار تاویلوں کی ضرورت نہ پڑتی، Lateo کے مخرج کے لئے عربی زبان میں لطا یلطو موجود ہے، تاج العروس میں اس کے معنی یہ لکھے ہیں،

لطا یلطو اھملہ الجوھری وقال	لطا یلطو، کو جوہری سہواً چھوڑ گئے
غیرہ اذا التجأ الی صخرۃ او غار	ہیں، ان کے علاوہ دو علماء لغت کا خیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۶۰) کا صیغہ ہے، جس طرح عربی میں مصدر سے صیغے بنائے جاتے ہیں، لاتینی میں ایسا نہیں ہوتا، بلکہ ڈکشنریوں میں بجائے مصدر کے واحد متکلم کے صیغہ کو رکھتے ہیں، اور اسی صیغہ کا اشتقاق ہوتا ہے- Id-Latet me کے معنی ہیں یہ بات مجھ سے مخفی ہے، اس کا تلفظ جو انگریزی میں TH کا ہے D کا نہیں،

وَنقلہ الصاغانی فی	ہے کہ یہ اس وقت کے لئے بولا جاتا ہے جب
التکملۃ،	کوئی چٹان یا غار میں چھپ کر پناہ لے،
	صاغانی نے اپنی کتاب تکملہ میں بھی
	یہی لکھا ہے،

ظاہر ہے کہ یہ لفظ عربی کے قدیم ترین الفاظ میں سے ہے، اس لئے کہ اس مادہ کے مشتقات بتاتے ہیں، کہ یہ ایک قدیم عربی لفظ ہے، جس سے بہت سے مادے اخذ کئے گئے ہیں، صاغانی نے بھی جو لغویین میں بڑے مرتبہ کا شخص ہے، اس لفظ کے قدیم عربی لفظ ہونے پر یہ دلیل پیش کی ہے کہ مادہ ل، ط، ا عربی زبان میں مختلف صورتوں میں استعمال ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مادہ قدیم ترین مادوں میں سے ہے، جس سے حسب ضرورت بہت سے دوسرے مادے بھی اخذ کر لئے گئے ہیں، مادہ ل، ط، ا سے "لطأ"، "لأط"، "لاث" اور "لات" وغیرہ بہت سی قسمیں مستعمل ہوئیں، "لطأ علیہ ستر" کے معنی کسی چیز سے پردہ اٹھانے یا پردہ لپیٹنے کے ہیں، اسی سے "لطا عنہ الخبر" خبر پوشیدہ رکھنے کے معنی پیدا ہوئے، "لط الباب" کے معنی ہیں کسی نے دروازہ بند کر دیا، "لط الستر" کے معنی فلان نے پردہ گرا دیا، چیزوں کے چھپانے کو بھی "لط" سے ظاہر کیا جاتا ہے، اسی طرح "لاط، یلوط، لوطا" کے معنی چھپانے کے ہیں "لات الرجل الخبر یلوتہ لوتا" کے معنی ہیں کسی شخص نے خبر کو پوشیدہ رکھا، اس میں بھی چھپانے کے معنی پائے جاتے ہیں، اسی سے علی سبیل التغلیب "لاث" بھی استعمال ہوا، "ما لاث فلان ان غلب فلانا" کے معنی ہیں فلان شخص کو تھوڑی دیر بھی نہیں لگی، کہ فلان پر غالب آگیا، یہاں بھی لاث کے معنی ٹھہرنے یا رکنے کے ہیں، جو پوشیدہ رہنے یا خبر کو روکے رہنے سے زیادہ قریب ہے،

۸- النحی- ۹- النائی، ۱۰- الناؤق، النُحی، النَحی، النِحی، مکسور الفا، مفتوح الفا، اور مضموم الفا

والعین تینون صورتوں میں اس کے معنی "مشک" کے ہین بعضوں کا خیال ہی کہ صرف اُس مشک کو
کہتے ہین جو گھی رکھنے کے کام مین آتی ہے، ابن منظور نے بھی اس لفظ کی مفصل تشریح کی ہی جس کا ذکر
طوالت سے خالی نہین، میرے نزدیک "نحی" ابتداءً تمام مشکون کے لئے بولا جاتا تھا، پھر جب اس
مفہوم کے اظہار کے لئے بہت سے الفاظ رائج ہو گئے، تو "نحی" کو صرف گھی رکھنے والی مشک کیلئے
خاص کر لیا گیا، کہ فہم مطلب مین التباس نہ پیدا ہو، تخصیص لفظ کا یہ دستور ہر زبان مین رائج ہے،

اسکی تفصیل یہ ہو کہ قدیم عرب جب بحری سفر کرنا یا تیرنا چاہتے، تو اس مقصد کے لئے مشک[۱] کو
استعمال میں لاتے تھے، اس کا پتہ وہ لکڑیان پتھر اور سنگ مرمر کے ٹکڑے دے سکتے ہین، جو کھدائی
میں برآمد ہوئے ہین، اور دار الآثار میں محفوظ ہین، جب ایک جماعت سفر کرنا چاہتی تھی تو بہت
سی مشکون کو جمع کرکے خوب مضبوط باندھ دیتے اور اس پر تختے اور لکڑیان رکھکر اپنی ضرورت کے
قابل بنا لیتے، اس میں کھانے پینے سونے اٹھنے بیٹھنے وغیرہ جملہ ضروریات کے لئے جگہین ہوتی تھیں، اس
سودیشی جہاز کا نام اکدی[۲]، اشوری اور بابلی زبانون مین "کلک" ہے، اس نام کو رائج ہوئے چھ ہزار
سال گذر گئے، اس کے بعد اس معنی کے لئے ایک اور لفظ "طوف" تراشا گیا، ان مشکوں کے جہاز
کا سین آج بھی عراق کے قریب کی نہرون کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھا جا سکتا ہی، وہان دیکھو گے
کہ اعرابی جب نہر جھیل اور نالونکو عبور کرنا چاہتا ہے، تو مشک کو پانی سے بھر کر اس کے منہ کو خوب مضبوط
باندھ دیتا ہے، پھر اس کو پانی پر رکھ کر اسی کے ذریعہ عبور کرتا ہے،

بحری سفر کے لئے انسانی دماغ کی پہلی ایجاد یہی تھی، اس لفظ کو لاتینی مین "Navis" بنا
دیا گیا، یہ لفظ اصل مین Nav ہی، آخر کا S اعراب کا ہے، جو صیغون کے اختلاف کی حالت میں تبدیلی
قبول کرتا رہتا ہے، یہ عربی کا ح ہے اور اس کے معنی لاتینی میں جہاز کے ہین، اس لفظ کی تحقیق مین بھی

---

۱ Akkada،

محققین نے اپنی تحقیق کا وہی نمونہ پیش کیا ہے، اور صاف وصریح لفظ کو چھوڑ کر رکیک تاویلوں کا دفتر
پیش کر دیا ہے، چنانچہ "Navis"[۱] یعنی نحی کے متعلق اناطول بائلی اپنی لغت کے ص ۱۱۰۲ کے کالم اول مین
لکھتا ہے کہ

"ابتداءً یہ لفظ "Navus" تھا، لیکن چونکہ لاتینی میں کسی لفظ کے آخر مین ایسے حرف علت کا
آنا، جو دو لفظوں سے مل کر ایک ہو گیا ہو ثقیل ہے اس لئے Navus کے حرف "u" کو
"i" سے بدل دیا، اس طرح کی تبدیلی "Naveri" وغیرہ میں بہت ہوئی ہی اسکو "Nauito"
یا Naus سے بھی جو یونانی کا لفظ ہے مشتق قرار دیا جا سکتا ہے، Nauta کے آخر جو ta
ہے، اس طرح tea یونانی میں بہت استعمال ہوتا ہے، جیسے "Nautes" اور "Poietes"
وغیرہ اسی قاعدہ کے مطابق لاتینی "Nausea" جس کے معنی اس دوران سر اور چکر کے
ہین، جو پانی مین سفر کرنے سے پیدا ہوتا ہے، تبدیل ہوا ہے، یونانی میں وہ "Nautia"
تھا، Nava سنسکرت کا ناؤ اور یونانی کے "Naus" اور آئرلنڈی[۲] قدیم کے Nau جن
کے معنی کشتی یا ناؤ کے ہین، یہ لفظ قدیم جرمن میں "Naho" بولا جاتا تھا، ان تمام الفاظ سے
معلوم ہوتا ہے، کہ پانی کا سفر انسان کی اس ملکی تقسیم سے پہلے ہی سے معروف و عام ہو، اسی لئے
الفاظ کا مخرج بھی تقریباً ایک ہی"۔

مسٹر بائلی کا یہ خیال تو صحیح ہے کہ بحری سفر انسان کی ابتدائی ضرورتون مین سے ہے، جس کیلئے

---

۱ Navis لاتینی زبان کا اسم ہے، اس کا مصدر Nare ہی واحد متکلم No اور جمع متکلم Namus ہی
واحد مخاطب Nas اور جمع مخاطب Natis آتا ہے، واحد غائب Nat اور جمع Nant استعمال
ہوتا ہے، مصدر کے معنی تیرنا کے ہین، جس سے تمام صیغون کے معنی متعین کرنے چاہیئن وقس علی ھذا،

۲ آئرلینڈ کی قدیم زبان،

اس کو کشتی یا ناؤ سے مدد لینی پڑی، جو انسان کی ابتدائی صنعت وایجاد ہے، لیکن انھون نے اس خیال کے قائم کرنے مین کہ [illegible] یونانی الاصل ہی سخت غلطی کی ہی،

اس کے متعلق ضمناً عرض ہی کہ یونانی کے لفظ [illegible] کو عربون نے ملاح کے معنی مین دخیل بنایا، اور "نوتی" کر دیا ہے، لیکن یہ عجیب بات ہی کہ انھون نے حسب قاعدہ زبان عربی "نخی" "نخاز" یا "ناخ" وغیرہ نہیں استعمال کیا، ان کی اس احتیاط سے یہ حقیقت منکشف ہوتی ہے، کہ عربی زبان جو دراصل قدیم ترین زبان ہے، جب کسی لفظ کو دوسری زبان سے لیکر اپناتی ہے، تو اس کو اس طرح رکھتی ہے کہ اصل زبان کے الفاظ مین مل کر گڈمڈ نہ ہو جائے، ان کی اس احتیاط اور اصولِ نقل کی پابندی کو دیکھ کر اس نتیجہ پر پہنچا جا سکتا ہے، کہ سوائے چند الفاظ کے جن کا دخیل ہونا واضح ہی سب اسی زبان کے الفاظ ہین، جو ابتدائی زندگی سے لیکر آخر تک حسبِ ضرورت وضع ہوتے رہے، اور جس سے رفتہ رفتہ دوسری زبانین الفاظ ماخوذ کرکے بنتی گیئن،

اس سلسلہ مین ان الفاظ کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جو "نحی" سے مشتق ہوئے ہین، النائی والنوی والنئی (بتثلیث النون) اور النوی (ضمہ اور فتحہ دونون کے ساتھ) جس کے معنی اس گڈھے کے ہین، جو خیمہ کے اردگرد سیلاب سے بچنے کے لئے بنایا جاتا تھا، سب اسی سے مشتق ہین، گڈھے کے معنی میں اس مناسبت سے استعمال کیا گیا، کہ جس طرح کشتی پر سوار ہونے والے کو کشتی ہلاکت سے بچاتی ہے، اسی طرح یہ گڈھا بھی جھونپڑے والے کو سیلاب کی ہلاکت سے محفوظ رکھتا ہے، حفاظت دونوں کا جزو مشترک ہی یہی اشتقاق کا باعث ہی،

اسی مادہ سے ایک لفظ ناوق بھی مشتق ہے، محیط المحیط مین ہے،

الناوق بفتح الواو الخشبة المنقورة التي يجري فيها الماء في الدواليب او تعرض في النهر او الجدول يجري فيها الماء من جانب الى جانب معرب ناوك بالفارسية والجمع ناوقان۔

ناوق واو مفتوحہ کے ساتھ اس سوراخ کی ہوئی لکڑی کو کہتے ہین جس سے چرخی کے ذریعہ پانی لیجایا جاتا ہے، یا وہ لکڑی ہے، جس سے نہر یا کھیتی کی نالیوں مین رکھکر ایک گوشہ سے دوسرے گوشہ تک پانی پہنچاتے ہین، یہ فارسی ناوہ کا معرب ہے اس کی جمع ناوقان ہے، ۱۲،

دوسرے قدیم لغویین نے اس لفظ کا تذکرہ نہیں کیا ہے، البتہ صاحب المنجد نے بھی اس لفظ کو دخیل لکھا ہے، جیسا کہ لکھ چکا ہون کہ سنسکرت کا "ناؤ" بھی "نحی" تھا، اس لئے کہ سنسکرت مین "ح" نہین ہی تو "ناوہ" بھی اسی "ناؤ" سے مشتق ہوا، صاحب محیط المحیط نے اس کو فرہنگ کے لغت سے لیا ہے میرا خیال ہے کہ فرہنگ نے تحفۃ اخوان الصفا سے جسمین ایسا ایک لفظ آیا ہے کہ جس کے معنی کھدی ہوئی لکڑی یا پتھر کے ہین، یہ لفظ اخذ کیا ہوگا،

لغات جدیدہ

عربی زبان کے اخبارات، رسائل، تصنیفات، اور بول چال مین ہزارون نئے الفاظ پیدا ہو گئے ہین، جن کے بغیر آج کل کی عربی زبان سمجھنا دشوار ہے، مصنف نے اس کتاب مین اس قسم کے چار ہزار جدید عربی الفاظ کا لغت لکھا ہے،

ضخامت:- ۲۵۰ صفحے، قیمت:- عہر

منیجر دار المصنفین

حقائقِ اشیاء

از مولوی محمد اویس صاحب ندوی رفیق دار المصنفین

"حقائقِ اشیاء" کا مسئلہ فلاسفہ اور متکلمین دونون کے یہان ایک خاص اہمیت رکھتا ہے، مختصر الفاظ مین اس کا مفہوم یہ ہے کہ اس عالمِ آب و گل مین حواسِ سلیمہ اور عقل کے ذریعہ سے ہم جن چیزون کو جانتے ہین، وہ اپنی کچھ حقیقت بھی رکھتی ہین یا ع

عالم تمام حلقۂ دامِ خیال ہے

ایسا تو نہیں ہے کہ یہ زمین و آسمان، بحر و بر، شجر و حجر، حیوانات، نباتات، جمادات حتیٰ کہ خود ہمارا اپنا وجود حقائق سے معرّی محض وہم و خیال کا فریب ہو، ؟ اور اگر اس دنیائے رنگ و بو کے پس پردہ واقعی کوئی حقیقت کار فرما ہو تو کیا ہم اس کو معلوم بھی کر سکتے ہین ؟ عام فلاسفہ اور متکلمین کہتے ہیں کہ حقائقِ اشیاء ثابت ہیں اور ہم ان کو جان سکتے ہین، اسوال ہو سکتا ہو کہ ایسی واضح بات کا فلسفہ اور کلام سے تعلق کیا، ؟ اسلئے ضرورت ہو کہ اس مسئلہ کے تاریخی پس منظر کو سامنے لایا جائے،!

طاقتِ بشری کے موافق حقائقِ کائنات کا پتہ لگانا اور عقل کی روشنی مین اسرارِ ہستی کو فاش کرنا شروع سے فلسفہ کا کام رہا ہے، رازِ دہر کی جستجو مین انسانی عقل کس کس منزل سے گذری ؟ فلسفہ کے سارے مباحث اسی کی تشریح میں ہین، لیکن عجب تماشا ہو کہ اس سرِ حقیقت کو حل کرنے کیلئے یہ دانشور جب بزم آرا ہوئے، تو کبھی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے،! انھون نے ہمیشہ ایک دوسرے کے نظریہ کا مضحکہ اڑایا، ایک دوسرے کی رائے کو غلط ٹھہرایا، جس مسئلہ پر بھی انھون نے غور کیا،

نتائجِ فکر سب کو جدا جدا ظاہر ہوئے، نہ صرف جدا بلکہ ایک دوسرے کے بالکل مخالف!

ان لوگون مین گفتگو عالم کی حقیقت پر ہوئی، کہ یہ سارا تماشا جو آنکھون کے سامنے ہے کہان سے اور کیسے ہو، ؟ کسی نے کہا کہ عالم کی ترکیب "پانی" سے ہے، کہین سے آواز آئی کہ نہین تکوینِ عالم کا سبب "ہوا" ہے، ایک جماعت نے دعویٰ کیا کہ تشکیلِ عالم دو اجزا سے ہو، وہ دو اجزا کیا ہین ؟ اس کے متعلق اس جماعت میں بھی دو گروہ ہو گئے، ایک کہتا تھا کہ عالم دو ہین، عالمِ مثال، عالمِ مادی، دوسرا کہتا تھا کہ ہیولیٰ اور صورت سے تشکیلِ عالم ہوئی ہے، یہ بحث مباحثے ہو ہی رہے تھے، کہ عقلیین کا ایک گروہ اور آپہنچا، انھون نے کہا کہ سرے سے یہی غلط ہے، کہ تکوینِ عالم کے دو اجزا ہین، عالم کی علت تو صرف ایک ہے، پوچھا گیا، کہ وہ علت کیا ہے، اس سوال کے جواب مین یہان سے بھی دو آوازین آئین،!

کائنات کی علت مادہ ہے، ؟

کائنات کی علت روح ہے، ؟

الغرض مدعیانِ عقل و دانش فطرت کو بے نقاب کرنے کے لئے عقل کی بھول بھلیان مین اسی طرح چکر کاٹ رہے تھے، اور فلسفہ کا ہر مسئلہ عقدۂ لاینحل بن رہا تھا، ایک پردہ اٹھتا تو دوسرا سامنے آجاتا، علم میں جس قدر ترقی ہوتی، اسرارِ کائنات اسی قدر پیچیدہ ہوتے جاتے،!

فلسفی سرِ حقیقت نہ توانست کشود
گشت رازِ دگر آن راز کہ افشا می کرد

دوسری طرف اہلِ زمانہ اس کثرتِ آرا اور تضادِ افکار سے پریشان ہو رہے تھے، یہانتک کہ ڈاکٹر ولیم نیس کے الفاظ مین حالت یہ ہوئی کہ

"پانچوین صدی کے آغاز سے بعض ایسے خیالات پھیلنے شروع ہوئے، جس کی وجہ سے

کچھ عرصہ کے بعد مہذب حلقوں کے اندازِ فکر اور علمی زندگی کے میدان میں ایک نمایاں تغیر واقع ہوا، فلسفیانہ نظریات کی باہمی پیکار اور عام اندازِ ادراک سے ان کی کھلی مخالفت سے کائنات کی علمی توجیہات کے خلاف بدگمانی پیدا ہو چکی تھی،

(مختصر تاریخ فلسفۂ یونان دار الترجمہ ص۲۲)

یہ بدگمانی بڑھتی ہی گئی لیکن عقل کے دیوانوں کی ذہنی موشگافیوں میں کوئی کمی نہ ہوئی آخرکار وہ وقت آیا، کہ عقلیت کے خلاف پورا ردِّ عمل شروع ہو گیا، اور سوفسطائیہ کے نام سے ایک جماعت ظہور پذیر ہوئی، انھوں نے کہا کہ تم طاقتِ بشری کے موافق حقائقِ کائنات کا پتہ لگانے کے مدعی ہو لیکن حقائق کا پتہ لگانا بشر کی طاقت میں ہے کب؟ حقائقِ کائنات کیا ہیں،؟ یہ سوال بعد کا ہے، پہلی چیز تو یہ طے کر لینے کی ہے، کہ حقائق کچھ ہیں بھی،؟ اور اگر ہیں تو تم ان کو معلوم بھی کر سکتے ہو؟

ان لوگوں نے علی الاعلان اپنا یہ نظریہ پیش کیا، کہ

"حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے، اور ہمارا علم نفسی مظاہر کے پرے نہیں جا سکتا"،

(مختصر تاریخ فلسفہ یونان دار الترجمہ ص۴۲)

علمائے اسلام بھی سوفسطائیہ کے ظہور کی وجہ فلاسفہ کی انہی معرکہ آرائیوں کو قرار دیتے ہیں، علامہ سید شریف جرجانی شرح مواقف جلد ا ص۳۱ میں فرماتے ہیں:-

إنما نشاء مذهبهم هذا من الاشكالات المتعارضة مثل ما يقال لو كان الجسم موجوداً لم يخل من ان يتناهى قبوله للانقسام فليزم الجزء وهو

ان کا (سوفسطائیہ) ظہور آپس میں مخالف اشکالات کی وجہ سے ہوا مثلاً کہا جاتا ہے کہ اگر جسم موجود ہو تو اس کا قبول انقسام متناہی ہوگا، اس لیے الجزء الذی لا یتجزی کا لازم آتا ہے اور یہ ان کے

باطل لادلة نفاته او لا يتناهى وهو ايضاً باطل لادلة مثبتيه ولو كان شيئ ما موجوداً لكان اما واجباً او ممكناً وكلاهما باطل للاشكالات القادحة فى الوجوب والامكان وبالجملة ما من قضية بديهية او نظرية الا ولها معارضة مثلها فى القوة تقاومها،

منکرین کے نزدیک باطل ہے، یا نامتناہی ہوگا، یہ بھی اس کے قائلین کے نزدیک باطل ہے، اور اگر کوئی چیز موجود ہوگی، تو یا واجب ہوگی یا ممکن ہوگی، اور وجوب و امکان کے اشکالات کی وجہ سے یہ دونوں باطل ہیں، الغرض کوئی قضیہ بدیہیہ ایسا نہیں ہے کہ اس کے بالکل برعکس اسی قوت کا دوسرا قضیہ موجود نہ ہو!

اس ردِّ عمل میں عقلیت کے خلاف تین جماعتیں پیدا ہوئیں، علامہ ابن حزم فصل فی الملل والاھواء والنحل میں سوفسطائیہ کی تشریح ان الفاظ میں کرتے ہیں:-

ذكر من سلف من المتكلمين انهم ثلاثة اصناف فصنف منهم نفى الحقائق جملة وصنف منهم شكوا فيها وصنف منهم قالوا هى حق عند من هى حق وباطل عند من هى باطل،

(ص۳)

متکلمین سلف نے بیان کیا ہے کہ سوفسطائیہ کی تین قسمیں ہیں، ایک جماعت تو وہ ہے جو حقائق کی بالکل منکر ہے، ایک جماعت حقائق میں شک کرتی ہے، اور ایک جماعت وہ ہے جو کہتی ہے، کہ حقائق جن کے نزدیک حق ہیں، ان کے نزدیک حق ہیں اور جن کے نزدیک باطل ہیں، ان کے نزدیک باطل ہیں،

سوفسطائیہ کی ان جماعتون میں سے پہلی جماعت کا نام متکلمین عنادیہ تبلاتے ہیں، یہ حقائقِ اشیا کے منکر اور ان کو محض اوہام اور خیالاتِ باطلہ تصور کرتے ہین،

دوسری جماعت کا نام لاادریہ ہے، یہ حقائقِ اشیار کا انکار نہیں کرتے ہین، بلکہ کہتے ہیں، کہ ہمارے ذرائعِ علم حقائقِ اشیا معلوم کرنے سے قاصر ہین،!

تیسری جماعت کا نام عندیہ ہے، ان کے نزدیک حقائقِ اشیا تابع خیال ہین، یعنی ہم جس چیز کو جوہر خیال کرین، وہ جوہر ہے، عرض سمجھیں تو عرض ہے، قدیم کہین تو قدیم ہے، حادث کہین تو حادث ہے،!

ان لوگوں کا نام سوفسطائیہ کیون پڑا؟ اسکی وجہ متکلمین یہ تبلاتے ہین، کہ "سوفسطا" کے معنی معقول غیر علم کے ہین، اور چونکہ ان لوگون کی حکمت محض مزخرفات کا مجموعہ تھی، اس لئے یہ اس نام سے شہرت پا گئے،!

لیکن جرمن فاضل ڈاکٹر ولہیم نیسل "سوفسطائی" کو "عقلمند" کا ہم معنی ظاہر کرتا ہے مختصر تاریخ فلسفۂ یونان ص۳۲ (دارالترجمہ) مین ہے:

"اس ضرورت کو ایسے لوگوں نے پورا کرنا شروع کیا جنھین ان کے معاصرین "سوفسطائی" یعنی عقلاء کہتے تھے، اور ان لوگون نے خود بھی اپنے تئین اسی لقب سے مشہور کیا"۔

یہی فاضل آگے چل کر لکھتا ہے،:-

"افلاطون کے زمانہ سے "سوفسطائی" کی اصطلاح فقط انہی لوگون پر عائد کی جاتی ہے جو درس فضیلت کے پیشہ ور معلم تھے، جو اپنے شاگردون کو عمل اور تقریر دونون مین ماہر بنانا چاہتے تھے،

ردِ عمل مین اعتدال کب قائم رہا ہے، ؟ سوفسطائیہ بھی اسی افراط و تفریط کے شکار ہوئے انھون نے یونان کی سرزمین پر نہ صرف عقلیت کے خلاف زبردست محاذ قائم کر رکھا تھا بلکہ یونان کی اخلاقی اور آئینی زندگی بھی ان کی ہنگامہ آرائیون سے متزلزل ہو رہی تھی، ڈاکٹر ولہیم نیسل کا بیان ہے،:-

"عام سوفسطائیوں نے مناظرون میں پیش کیا، کہ حقیقت کا دریافت کرنا ناممکن ہے، اور ہمارا علم نفسی مظاہر کے پرے نہیں جاسکتا، ایسے خیالات کا ردِ عمل اخلاقیات پر لازمی تھا، اس کا قدرتی نتیجہ یہ ہوا، کہ اس زمانہ میں جھگڑون میں جو اخلاقی اصول اور ملکی قوانین کے خلاف نا فرمانی پیدا ہوئی، اس نے اپنے لئے سوفسطائی نظریات سے ایک سطحی جواز حاصل کیا، (مختصر تاریخ فلسفۂ یونان ص۴۲ دارالترجمہ)

ص ۴۸ پر اسی مورخ کے الفاظ یہ ہین:-

"دوسری طرف سوفسطائی تحقیقات فقط اس نتیجہ پر پہونچی تھی کہ جس طرح کائنات کا حکمی علم ناممکن ہے، اسی طرح اخلاقیات کے لئے بنائے حکمت تلاش کرنا بھی فعلِ عبث ہے جب انسان علم حاصل کرنے کی قابلیت فطرۃً نہیں رکھتا، تو تلاشِ صداقت بیکار ہے، جب اخلاقی عقیدے کی مروجہ بنیاد یعنی انسانی اور الٰہی قوانین کی مطلق فوقیت کا عقیدہ بھی ترک کر دیا گیا، تو یونانی قوم کی علمی زندگی کی طرح اس کی اخلاقی اور آئینی زندگی بھی خطرہ میں پڑتی ہوئی معلوم ہوئی"۔

ان حالات کا طبعی تقاضا تھا، کہ خیالات میں پھر کچھ انقلاب آئے، اور سوفسطائیت کی دورک تمام ہو،! یہان تک کہ افلاطون و ارسطو جیسے مشاہیرِ فلاسفہ پیدا ہونے شروع ہو گئے،! انکے وجود سے عقلیت نے پھر زور پکڑا، اور عنادیہ کی تردید مین حقائقِ اشیار پر دعیانہ خیالات

ظاہر کئے جانے لگے، لاادریت کے مقابلہ مین اسرار ہستی کے انکشاف کے لئے بڑے دم خم سے دعوے ہوئے!

اسی وقت سے ثبوت حقائق اشیاء اور ان کا علم فلسفہ کا ایک مستقل مسئلہ بن گیا، مسلمان جب فلسفہ سے روشناس ہوئے، تو ان کو بھی مسئلہ حقائق اشیاء پر اپنی راے ظاہر کرنا پڑی، یہی وجہ ہے کہ علم کلام قدیم کی کتابوں مین "ثبوت حقائق اشیاء" کے مسئلہ نے بنیادی حیثیت اختیار کرلی ہے، سوفسطائیہ مین سے عنادیہ اور عندیہ کی تردید تو علماے اسلام کو کرنا ہی چاہئے تھی، اس لئے کہ ان کے مسلک کے رو سے سارا نظام عالم عقائد اسلام اور تمام تکلیفات شرعیہ باطل ہوئی تھین، مثالاً یون سمجھئے کہ مذہب اسلام، خدا، پیغمبر، فرشتہ، جنت، دوزخ وغیرہ پر ایمان کا طالب ہے لیکن جبتک ان چیزون کی ایک متعین حقیقت ثابت نہ ہوگی، ان پر ایمان کیسے لایا جاسکتا ہے، ؟ اسی طرح قرآن پاک وجود الٰہی کے استدلال میں کائنات اور اس کے نظام کو پیش کرتا ہے، لیکن عندیہ اور عنادیہ کے نزدیک موجودات مین کسی چیز کی حقیقت ہی نہیں ثابت ہے، یا ثابت ہے تو ہر شخص کے وہم و گمان کی پابند ہے، ظاہر ہے کہ ایسی چیزین وجود الٰہی کی دلیل کیسے بن سکتی ہین؟ علمائے اسلام کے نزدیک لاادریہ البتہ کسی حد تک صاحب عقل و شعور ہین، کہ وہ نفس حقائق کے منکر نہین، بلکہ عدم علم کے قائل ہیں، شرح مواقف اول ص۱۸۶ مین ہے،

(وامثلھم) ای افضل السوفسطائیۃ (اللاادریہ) — اور سوفسطائیہ میں سب سے بہتر لاادریہ ہین،

قدماے لاادریہ میں پرہو (پیرون) صحیح معنون مین تشکیک کا بانی ہے، وہ کہتا ہے:-

"ہمارے معلومات تمام تر دو چیزین ہین محسوسات و معقولات، اب دیکھنا یہ ہے، کہ ماہیت اشیاء کا علم کس ذریعہ سے ہونا ممکن ہے، ؟ کیا حواس کے ذریعہ سے؟ لیکن حواس تو بداہۃً

صرف ظواہر اشیاء کو بتاتے ہین، ماہیت سے انھین سروکار نہیں، پھر کیا عقل کے ذریعہ سے؟ لیکن عقل تمامتر ہماری عادات اور ہماری سوسائٹی کے رسم و رواج کا نتیجہ ہوتی ہے، چنانچہ اختلاف عادات ہی کا نتیجہ ہے، کہ ہر شخص کی عقل دوسرے سے مختلف ہوتی ہے، پس ماہیت اشیاء کا علم خواہ بواسطہ حواس ہو، یا بواسطہ عقل، دونون واسطون سے ناممکن ہے، ایسی حالت میں ایک دانشمند کے لئے بہترین صورت یہ ہے، کہ نظری طور پر اشیاء کے حسن و قبح پر حکم لگانے سے سکوت مطلق اختیار کیا جائے، اور عملی زندگی مین ان افعال کے ترک و اختیار دونون سے احتراز رکھا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوگا، کہ تسکین حاصل رہے گی، جو فلسفہ وما بعد الطبیعیات کے مناقشات میں پڑ کر بالکل مفقود ہو جاتی ہے!

(مبادی فلسفہ دوم از مولانا عبد الماجد)

یونانیون کی یہ لاادریت دنیا سے بے تعلقی اور عملی بے حسی کا سبق دیتی تھی، اٹھارہوین صدی مین ڈیوڈ ہیوم نامی ایک متشکک یورپ میں پیدا ہوا، اس نے تشکیک کے دائرہ کو کسی قدر محدود کر دیا، اور واقعات و حوادث، ظواہر اشیاء، اور مسائل طبیعیہ کو عالم شک سے نکال کر حقائق اشیاء اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کو عقل انسانی کے دائرہ سے خارج کر دیا، ہیوم کہتا ہے،

"گو ہماری عقل کو حقائق اشیاء کا ادراک نہین ہوسکتا، لیکن اضافیات کا تو کامل علم ہو جاتا ہے، پس ہمیں اس پر قانع ہو کر اپنی پوری توجہ صرف کرنا چاہئے، قانون تعلیل کی بنیاد بے شبہہ صرف ہماری ایک عادت ذہنی پر ہے، اشیاء کے اقتضا طبیعی پر نہین، لیکن اس سے قانون کے وجود پر کوئی اثر نہین پڑتا ہے، وہ جون کا تون قائم رہتا ہے، اور ہم مجبور ہین، کہ عملی زندگی مین اس کی اہمیت کو بدستور ملحوظ رکھین، (مبادی فلسفہ دوم از مولانا عبد الماجد)

ہمارے نزدیک لاادریت اور مذہب مین وصولی اختلاف ذرائع کا علم ہے، لاادریت کے نزدیک ذرائعِ علم صرف دو ہیں (۱) محسوسات (۲) معقولات، اور یہ امرِ واقعہ ہے، کہ محض ان دو اسبابِ علم سے حقائقِ اشیا، اور مابعد الطبیعیات کے مسائل کا صحیح اور مکمل علم نہیں ہوسکتا ہے، حافظ کا مشورہ ہے:۔

حدیثِ مطرب و مے گوے و رازِ دہر کم تر جوے،
کہ کس نکشود و نکشاید بہ حکمت ایں معمّا را،

اہلِ مذہب کہتے ہین کہ ان دو ذرائعِ علم کے ساتھ ہمارا ایک ذریعۂ علم اور ہے، وہ وحی الٰہی ہے، یہ علم چونکہ براہِ راست خالقِ حقائق کی طرف سے ہوتا ہے، اس لئے اس کے ذریعے جن حقائق اور الٰہیات کے جن مسائل کا ہم کو علم دیا گیا ہے، ان کے متعلق ہمارا یقین ہے کہ وہ ویسے ہی ہین جیسا کہ کہا گیا ہے،!

لاادریت درحقیقت "عقل کا اعلانِ شکست" ہے، اور عقل کا یہ "اعلانِ شکست" پس پردہ کسی فوق ذات کے وجود کی غمازی کر رہا ہے، !فھل من مدّکر؟

رحمتِ عالم صلعم

سیرۃ نگارِ نبوی مولانا سید سلیمان ندوی نے کم استعداد طالب علمون، بچون اور عورتون کے لئے نہایت سادہ اور آسان زبان مین یہ سیرت پاک لکھی ہے اور اس کا کل منافع دار العلوم ندوہ کے دار الاقامہ کی تعمیر کے لئے وقف کر دیا ہے، اس لئے اسکی خریداری ہم خرما و ہم ثواب ہے، اردو زبان مین بچون اور عورتون کے پڑھنے کے لائق اس سے بہتر سیرت نبوی نہیں مل سکتی، اسلئے ہر گھر میں اس کا ہونا ضروری ہے، قیمت عہ، ۱۰۰ نسخون کے خریدار کے لئے مدرّی نسخہ مجلد عہ

"منیجر"

فلسفۂ مہارت

از

پروفیسر معتضد ولی الرحمٰن صاحب ایم اے

(۱)

چراغ تلے اندھیرا، فلسفی اور منطقی دوسروں کو عقل سکھاتا ہے، اور خود بے عقلی مین بدنام ہے، ان کی بے عقلیوں اور دیوانگیون کے قصے ہر ملک اور ہر زمانہ مین زبان زدِ عام و خاص رہے ہین، انتہا یہ ہو کہ جو شخص ایک خاص قسم کی بے عقلی کا اظہار کرتا ہے، اُسے فلسفی کہہ دیا جاتا ہے، خواہ اس کو فلسفہ کے لفظ کے ہجے بھی کرنے نہ آتے ہون، ان قصون سے ہر شخص اتنا زیادہ واقف ہے، کہ انکی مثالین بیان کرنے کی ضرورت نہیں، یہ قصے بعض تو سچے ہوتے ہین، لیکن بعض تصنیف بھی کئے جاتے ہین، بہر دو صورت ہر شخص عالم ہو کہ جاہل انکو بلا چون و چرا سچا تسلیم کر لیتا ہے، ہمارے لئے اس وقت ان قصون کے سچا یا جھوٹا ہونے کا سوال اہم نہیں، کیونکہ سچے قصے تو خیر سچے ہوتے ہین لیکن من گھڑت قصے بھی سچے قصوں کے اتنے مشابہ ہوتے ہین، کہ ان مین شبہہ کی گنجایش ہی نہیں ہوتی، اس وقت ہمارے لئے ایک اور سوال خاص اہمیت رکھتا ہے،

فلسفیوں کی بے عقلی کی داستانین تو ہر عالم و جاہل کی زبان پر ہین، لیکن اور ماہرین کے ایسے ہی ہزاروں قصے جاہل تو ایک طرف پڑھے لکھے بھی بہت کم جانتے ہین، ریاضی کا ایک ماہر فٹ بال کھیلتا ہی، تو وہ پہلے یہ دیکھتا ہے، کہ اوپر سے نیچے کی طرف گرنے والا فٹ بال کس زاویہ پر اور کس

شرح رفتار سے گر رہا ہے، اس اندازہ کے بعد ٹھوکر مارنے کے لئے وہ ٹانگ اوٹھاتا ہی ظاہر ہو کہ فٹ بال یا اور کھلاڑی اس کے اس حساب کتاب کا انتظار نہیں کرتے،! کیمیا کا ایک بہت بڑا ماہر الماری میں سے سوٹ نکال کر تو بہت احتیاط کے ساتھ کرسی پر رکھ دیتا ہے، اور خود جاکر نہایت اطمینان کے ساتھ الماری کے اندر کھڑا ہو جاتا ہے، گویا خود تو کپڑے بدل کر کرسی پر بیٹھ گیا، اور میلے کپڑے الماری میں ٹانگ دیئے، طبیعیات کا ایک ماہر راستہ چلتے ہوئے بجلی کے کھمبے گنتا ہوا چلتا ہے، اگر گنتی میں شبہہ ہوتا ہے، یا بھول جاتا ہے، تو واپس جاکر از سر نو گننا اور راستہ قطع کرنا شروع کرتا ہے، ادبیات کا ایک ماہر سڑک پر اس طرح چلتا ہے کہ اس کا ایک پاؤن تو سڑک پر ہوتا ہے، اور دوسرا اس پٹری پر جو پیدل چلنے والوں کے لئے سڑک کے ایک طرف بنائی جاتی ہے، نباتیات کا ایک ماہر شام کو سیر کرکے خود اپنے گھر واپس آتا ہے، لیکن دروازے پر "اوٹ" کی تختی دیکھ کر وہین سیڑھیون پر صاحب خانہ کے انتظار میں بیٹھ جاتا ہے، فلسفی اگر بنک جاکر چک پر دستخط کرتے وقت اپنا نام بھول جاتا ہے، تو وہ پاگل کہلاتا ہے، اور اس کا یہ پاگل پن تھوڑی ہی دیر مین تمام شہر مین مشہور ہو جاتا ہے، لیکن اگر کسی اور علم کا ماہر اس سے بھی بڑی بے وقوفی کرتا ہے، تو زائد سے زائد یہ ہوتا ہے کہ تھوڑی دیر کے لئے ہنسنے ہنسانے کا سامان مہیا ہو جاتا ہے، اور بس، لہذا جو سوال اس وقت ہمارے لئے اہم ہے، وہ یہ ہے، کہ کیا وجہ ہو کہ فلسفی کو تو دنیا پاگل کہتی ہے لیکن اسی قماش کے اور ماہروں کو یہ قابل احترام لقب نہین دیا جاتا، بحالیکہ ایمان کی بات یہ ہو کہ اس لحاظ سے ان تمام ماہرین کے آپس میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں ہوتا، معلوم ایسا ہوتا ہے کہ دنیا بھر کے ماہرین نے سازش کرکے غریب فلسفیون کو تو بدنام کر دیا، اور اپنے آپ اچھے بنے رہے،!

لیکن طرفہ تماشا یہ ہے کہ فلسفیون کی بعض خصوصیات ایسی ہین، جو جنون کی ایک قسم کے ساتھ

بھی پائی جاتی ہین، چنانچہ مشہور قدیم یونانی فلسفی فیثاغورث نے فلسفیون کی تین خصوصیات بیان کی ہین، اول فلسفی کا منتہائے مقصد مطالعۂ فطرت اور خالص غور و فکر ہونا چاہئے، دوم اس کو عام دنیوی محرمات یعنی لذائذ و خواہش جاہ و شہرت سے متاثر نہ ہونا چاہئے، اور سوم دیگر مشاغل سے قطعاً بے تعلق رہنا چاہئے، جنون کی ایک قسم ہے جسے جنون صغر سنی کہتے ہین، ڈاکٹر برنارڈ ہارٹ نے اس کی بھی تین خصوصیات بیان کی ہین، اول مریض کی عجیب و غریب عزلت گزینی، دوم حقیقت سے اسکی علیحدگی، اور سوم خود اپنے توہمات مین زندگی بسر کرنے کا میلان، فیثاغورث کی بیان کی ہوئی فلسفیون کی تین خصوصیات اور ہارٹ کی بیان کردہ جنون صغر سنی کی ان تین خصوصیات کے مقابلے سے ہمارے بیان کی تصدیق و تکذیب ہو سکتی ہے، لیکن ہمارا خیال یہ ہے، کہ فلسفیون کی جو خصوصیات فیثاغورث نے بیان کی ہین، وہ صرف فلسفیون کے لئے مخصوص نہیں، یہ ماہرین کی پوری کی پوری جماعت مین پائی جاتی ہین، لہذا فلسفی اور منطقی ہی "بے عقل" اور "دیوانے" نہیں ہوتے، بلکہ ہر وہ شخص ایسا ہوتا ہے، جسکو صحیح معنون میں ماہر کہا جا سکتا ہے،

(۲)

انسان کے جسم میں اعصاب کا ایک جال پھیلا ہوا ہے، ان اعصاب مین سے ہر ایک عصب سے ایک طرف تو باقی تمام اعصاب سے ملی ہوتی ہے، اور دوسری طرف یہ جسم کے کسی نہ کسی حصہ سے تعلق رکھتی ہے، اس طرح ان اعصاب کے ذریعہ سے جسم کا ہر چھوٹے سے چھوٹا حصہ جسم کے باقی تمام حصون سے تعلق پیدا کر لیتا ہے، نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اگر جسم کے کسی حصہ مین کسی وجہ سے کوئی تغیر پیدا ہوتا ہے، تو یہ تغیر ان اعصاب کے ذریعہ سے تمام جسم پر پھیل جا سکتا ہے، ہمارے پاؤن کے انگوٹھے پر اگر سوئی چبھوئی جاتی ہے تو ہماری ٹانگ کھنچ جاتی ہے، منہ سے سی کی آواز نکلتی ہے، اور آنکھون

Dementia Praecox ل

سے آنسو جاری ہوجاتے ہین، آنکھون سے ہم سانپ دیکھتے ہیں، اور ٹانگوں سے بھاگنا شروع کردیتے ہیں، کانوں مین نفیات کا لفظ "لکھو" کی آواز آتی ہے، اور ہمارے ہاتھوں میں ایک خاص حرکت شروع ہوجاتی ہے، ناک میں بدبو جاتی ہے، اور ہم ہاتھ اٹھاکر ناک بند کرلیتے ہین، کمرے میں گرمی ہوتی ہے تو چل کر بجلی کا پنکھا کھول دیتے ہین، اسی طرح کی اور بے شمار مثالین بیان کیجاسکتی ہین، ان سب میں ایک بات مشترک ہے، یعنی جسم کے ایک حصہ کے تغیر سے جسم کے دوسرے حصون میں تغیر پیدا ہوا، پاؤں کے انگوٹھے کے تغیر نے ٹانگ منہ اور آنکھون مین، آنکھوں کے تغیر نے ٹانگون مین، کانون اور ناک کے تغیر نے ہاتھون میں، اور گرمی نے ٹانگون مین تغیر پیدا کیا، تغیر کی یہ اشاعت اعصاب ہی کے ذریعہ سے ہوئی، اعصاب کے اس پورے کے پورے جال کو اصطلاح میں نظام اعصاب کہتے ہیں، ان تمام مثالون کو اصطلاحی زبان میں یوں بیان کیجائے گا، کہ ایک خارجی چیز مثلاً سوئی، سانپ، ایک خاص آواز، بدبو، گرمی کی وجہ سے جسم کے ایک خاص حصے میں عصبی تہیج پیدا ہوا، جو نظام اعصاب کے ذریعہ سے تمام جسم پر پھیل گیا، جسم کے ان تہیجات میں سے بعض، مثلاً ٹانگون کا کھینچنا، ہاتھون کی حرکت وغیرہ کو تو ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھ بھی لیا، اور جسمانی تہیجات گو اس طرح ہمین نظر نہ آئے، لیکن مناسب تجربون اور مشاہدون کے ذریعہ سے ان کے وجود کو بھی آسانی کے ساتھ ثابت کیا جاسکتا ہے،

اوپر کے بیان سے معلوم ہوا ہوگا، کہ اعصاب مین عصبی تہیج کو ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کرنے کی قابلیت ہوتی ہے، طبیعیات کی اصطلاح مین ان مین موصلیت پائی جاتی ہے، یہ بھی دیکھا گیا ہوگا، کہ پہلے تو یہ تہیج جسم کے باہر کی طرف سے شروع ہوکر جسم کے اندر کی طرف گیا، اور پھر فوراً ہی خارج ہوکر جسم کے کسی حصہ کے عضلات پر ختم ہوا، اس کی وجہ سے عضلات مین کھنچن پیدا ہوئی، اور جسم کے اس حصہ میں حرکت ہوئی؛ سانپ کو دیکھکر بھاگنے میں، مثلاً

یہی ہوا سانپ کی وجہ سے آنکھ مین تہیج پیدا ہوکر اعصاب کے ذریعہ سے جسم کے اندر کی طرف منتقل ہوا، اس کے فوراً بعد ہی وہ خارج ہوکر ٹانگ کے عضلات پر ختم ہوا، نتیجہ یہ ہوا کہ یہ عضلات کھنچے، اور بھاگنے کی حرکت پیدا ہوئی اصطلاحی زبان مین کہا جائے گا، کہ نظام اعضاب میں بعض اعصاب تو عصبی تہیج کو جسم کے باہر کی طرف سے اندر لیجاتے ہین، اور بعض اس کو اندر کی طرف سے باہر کی طرف لاتے ہین، مقدم الذکر کو احساسی اعصاب اور موخر الذکر کو حرکی اعصاب کہتے ہین، اور جیسا کہ بیان ہوچکا ہے، یہ دونون آپس میں ملے ہوتے ہین، سانپ کی وجہ سے جو عصبی تہیج آنکھ مین پیدا ہوا، وہ ایک خاص احساسی عصب کے ذریعہ سے جسم کے اندر کی طرف گیا، اور وہان سے ایک خاص حرکی عصب کے راستے سے خارج ہوکر ٹانگ کی حرکت کا باعث ہوا،

احساسی اعصاب لازماً آلۂ حس سے شروع ہوتے ہین، اور ان کے تہیج سے احساسات حاصل ہوتے ہین اسی وجہ سے انکو احساسی عصب کہتے ہین اور چونکہ یہ جسم کے باہر سے اندر کی طرف جاتے ہین لہذا انکو درآیندہ یا مرکز گر بھی کہا جاتا ہے انکے مقابلہ مین حرکی اعصاب لازماً عضلات پر ختم ہوتے ہین اور انکے تہیج سے حرکات پیدا ہوتی ہین اسی لئے یہ حرکی اعصاب کہلاتے ہین اور چونکہ یہ جسم کے اندر سے باہر کی طرف آتے ہین، لہذا انکو برآیندہ یا مرکز گریز اعصاب بھی کہتے ہین اب چونکہ ہماری تمام حرکات بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر کسی نہ کسی احساس کا نتیجہ ہوتی ہین لہذا کہا جاسکتا ہے کہ ایک احساسی اور ایک یا زائد حرکی اعصاب کے تعلق یا اصطلاحاً تطابق کا نتیجہ ہوتی ہین

اب سوال یہ ہے کہ احساسی اور حرکی اعصاب کا یہ تعلق جسم کے کس حصے میں ہوتا ہے؟ اس لحاظ سے جسم کے دو حصے اہم ہین، ان مین سے ایک حصہ تو کھوپڑی کے اندر دماغ ہے، اور دوسرا گدی سے لیکر بیٹھک تک ریڑھ کی ہڈی کے اندر حرام مغز، جس کو اصطلاح میں نخاع کہتے ہین، ان اعصاب کے تعلقات ان ہی دو مقامات میں ہوتے ہین، ان دونون مقامات میں جو تعلقات کہ ان اعصاب میں ہوتے ہین، ان کی نوعیت، اور ان تعلقات سے پیدا ہونے والی حرکات کی ماہیت میں بہت

فرق ہوتا ہے،

ہمارے پاؤں کے انگوٹھے میں سوئی چبھوئی جاتی ہے، تب بھی ہماری ٹانگ مین حرکت ہوتی ہے، اور سانپ کو دیکھکر ہم بھاگتے ہین، تب بھی ٹانگوں میں حرکت پیدا ہوتی ہے، دونون حرکات ٹانگوں میں ہوتی ہین، اور سوئی کے چبھنے اور سانپ کو دیکھنے کے بعد فوراً اور آسانی اور صحت کے ساتھ صادر ہوتی ہین، اس لحاظ سے توان دونون مین کوئی فرق نہیں، بہ ظاہر دونوں ایک ہی ہین لیکن غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے، کہ ان دونوں مین بہت فرق ہے، سوئی کے چبھنے سے جو حرکت ٹانگ مین ہوتی ہے، اس کے لئے ہم کو یہ معلوم کرنے کی ضرورت نہیں، کہ جو چیز کہ چبھی ہے، وہ سوئی ہے، اور یہ کہ اس کے چبھنے سے تکلیف ہوتی ہے، لہذا اگر یہ چبھے تو ہمکو ٹانگ کھینچ لینی چاہئے، اس کے برخلاف سانپ کو دیکھنے کے بعد جو حرکت ہماری ٹانگ مین ہوتی ہے، اس کے لئے یہ معلوم کرنا ضروری ہے، کہ جو چیز ہم کو دکھائی دے رہی ہے، وہ سانپ ہے، اور یہ کہ یہ کاٹا کرتا ہے، اور اس کا کاٹا مرجاتا ہے، جس شخص نے کبھی سانپ نہیں دیکھا، یا جو شخص سانپ کو دیکھکر اس کو رسی سمجھا ہے، اسکی ٹانگ میں کوئی حرکت نہیں ہوتی یعنی کہ مقدم الذکر حرکت کے لئے سمجھنے کا ذہنی عمل ضروری نہین لیکن موخر الذکر حرکت اس ذہنی عمل کے بغیر ناممکن ہوتی ہے، یا یون کہا جاسکتا ہے، کہ مقدم الذکر حرکت کے صادر ہونے کے لئے سوئی کا گذشتہ تجربہ لازم نہیں، لیکن موخر الذکر حرکت سانپ کے گذشتہ تجربہ کے بغیر صادر ہی نہیں ہوسکتی، چنانچہ بچے مین پیدایش کے بعد ہی مقدم الذکر حرکت تو موجود ہوتی ہے، اور موخر الذکر حرکت مفقود، اسی کو اصطلاحی زبان مین اس طرح بیان کیا جاتا ہے، کہ مقدم الذکر حرکت پیدایشی یا خلقی ہوتی ہے، اور موخر الذکر حرکت تجربہ کا نتیجہ یا اکتسابی، مقدم الذکر حرکت کو اضطراری کہتے ہین، اور موخر الذکر حرکت کو ارادی یعنی یہ کہ اضطراری حرکت پیدایشی ہوتی ہے، اور ارادی اکتسابی، اضطراری حرکت کے لئے سمجھنے کے ذہنی عمل کی

ضرورت نہین لیکن موخر الذکر اس کے بغیر ناممکن ہوتی ہے، اضطراری حرکت پر تجربہ کا صرف یہ اثر ہوتا ہے، کہ اگر پہلے یہ غیر معین ہوتی ہے، تو تجربہ کی وجہ سے یہ معین ہو جاتی ہے لیکن تجربہ کو اس کی پیدایش میں کوئی دخل نہیں ہوتا، اس کے برخلاف اکتسابی حرکت تجربہ سے نہ صرف معین ہوتی ہو بلکہ اس کی پیدایش بھی تجربہ ہی سے ہوتی ہے، ایک نئی مشین شروع میں رُک رُک کر چلتی ہے لیکن کچھ دن چل لینے کے بعد اس میں روانی آجاتی ہے، بالکل اسی طرح اضطراری اور ارادی حرکات بھی شروع مین روان نہین ہوتین لیکن کچھ استعمال کے بعد ان میں روانی پیدا ہو جاتی ہو، اسی کو ہم نے کہا ہو کہ وہ معین ہو جاتی ہین،

اضطراری حرکت کو ہم نے اوپر پیدایشی کہا ہے فعلیاتی زبان مین اس کا مطلب یہ ہو کہ احساسی اور حرکی اعصاب کے جس تطابق سے یہ حرکت پیدا ہوتی ہے، وہ پیدایش کے وقت موجود ہوتا ہے، اس تطابق کو قائم کرنے کے لئے ہم کو کوئی محنت نہین کرنی پڑتی، لیکن اکتسابی حرکات کی حالت اس سے مختلف ہوتی ہے، ان میں ہم اپنی محنت اور کوشش سے اس تطابق کو قائم کرتے ہین، ہمارا بائیسکل چلانا، ہارمونیم بجانا، چھری کانٹے سے کھانا، غرض تمام سیکھی ہوئی حرکات اسی نوع کی ہوتی ہین، دوسرے لفظوں میں کہا جاسکتا ہے، کہ محنت اور کوشش سے اضطراری حرکات کی عام شکل میں کوئی تبدیلی نہین ہوتی، لیکن ارادی اکتسابی حرکات تو محنت اور کوشش سے پیدا ہی ہوتی ہین، اور ان کی شکل بالکل بدل جاسکتی ہے،

اضطراری حرکت احساسی اور حرکی اعصاب کے جس تطابق کا نتیجہ ہوتی ہے، وہ حرام مغز یا اصطلاحاً نخاع میں ہوتا ہے لیکن اکتسابی ارادی حرکت کا یہ تطابق دماغ مین ہوتا ہے، نئی حرکات کو سیکھنے کے لئے ہم دماغ کو استعمال کرتے ہین، لیکن پیدایشی حرکات میں ہم کو دماغ کے استعمال کی ضرورت نہیں ہوتی، لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے، کہ یہ سیکھی ہوئی حرکات شروع مین تو مشکل

سے صادر ہوتی ہین، ان مین صحت بھی نہین ہوتی، اور یہ فوراً بھی صادر نہیں کیجا سکتین، لیکن کچھ دنون کی مشق کے بعد ان میں اضطراری حرکات کی تمام ظاہری خصوصیات پیدا ہو جاتی ہین، یعنی یہ فوراً اور آسانی اور صحت کیساتھ صادر ہونے لگتی ہین، جس طرح اضطراری حرکات بلا محنت و کوشش پیدا ہوتی ہین، اسی طرح یہ بھی صادر کیجا سکتی ہین، جب سیکھی ہوئی حرکات اس درجہ پر پہونچتی ہین، تو ان کو عادی کہا جاتا ہے، اس طرح ظاہری حیثیت سے عادی اور اضطراری حرکات مین مطلقاً کوئی فرق نہیں رہ جاتا، ان مین فرق رہ جاتا ہے، تو صرف یہ کہ عادی حرکات سیکھی ہوئی ہوتی ہین اور اضطراری حرکات بن سیکھی اور پیدائشی،

بہرحال یہ دونون حرکات ایک ایسے آلہ کے ذریعہ سے صادر ہوتی ہین، جو خلقی ہوتا ہے، لہذا موروثی ہوتا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ آلہ بچے میں پیدائش کے وقت ارتقا کے کسی نہ کسی درجہ پر موجود ہوتا ہے، اور یہ اس کو اس کے آبا و اجداد سے ورثہ مین ملتا ہے، اسی آلہ کو پچھلے نظام اعصاب کہا گیا ہے، چنانچہ کہا جاتا ہے کہ نظام اعصاب کا بنیادی کام یہ ہے، کہ اندر آنیوالے عصبی تہیجات کو ایسے باہر نکلنے والے عصبی تہیجات مین تبدیل کرائے، جن کی وجہ سے حرکات پیدا ہون، اور یہ حرکات اس فرد کی بقا مین مدد دین"،

(۳)

فلسفی اور علوم کے ماہرون مین یہ بات مشترک ہوتی ہے کہ یہ سب ماہر ہوتے ہین، لہذا ظاہر ہے کہ مہارت کی وجہ سے پیدا ہونے والی خصوصیات دونون مین پائی جائین گی، لیکن قبل اس کے کہ ان خصوصیات کی تلاش کیجائے، اس سوال کا جواب ضروری ہے، کہ مہارت کسے کہتے ہین؟

ایک صاحب نے اپنا ایک مشاہدہ بیان کیا ہے،:۔

"جب مین کیپ ٹاؤن مین تھا، تو مین نے ایک بحری پرندے کو دیکھا کہ ایک اور بحری پرندے

کا تعاقب کر رہا تھا جس کے منہ مین مچھلی تھی، جب یہ دوسرا پرندہ بالکل زچ ہو گیا، تو اس نے مچھلی کو چھوڑ دیا، اب تعاقب کرنے والے پرندے نے اپنے پر سمیٹ کر اپنے آپ کو نیچے کی طرف گرا دیا، اور ابھی وہ مچھلی فضا ہی میں تھی کہ اسکو جا لیا، اور منہ مین دبا کر تیزی کیساتھ اڑتا ہوا نظرون سے غائب ہو گیا،

ایک امریکی سیاح، مسٹر جے، لنکاسٹر نے یہ منظر بیان کیا ہے،:۔

"ایک ماہی خور باز نے ایک مچھلی پر جھپٹا مارا، اور اس کو پنجون میں پکڑ کر ہوا مین بلند ہو گیا، اور اپنے گھر کی راہ لی، راستے میں اس کو ایک اور پرندہ ملا، یہ ایک سیاہ جانور تھا جس مین پرون کے سوا کچھ اور نظر نہ آتا تھا، یہ اوپر سے نیچے کی طرف گرا، اور اس باز کا مقابلہ کرنے لگا، اس باز نے مچھلی کو چھوڑ دیا، اور خوف زدہ ہو کر ایک ایسی چیخ ماری کہ جس کو سنکر پرندے پر رحم آتا تھا، اس باز کو چوٹ نہ لگی تھی، لہذا وہ پھرتی سے اڑتا ہوا ساحل کی طرف روانہ ہو گیا، اس غاصب پرندے نے مچھلی کو سمندر کی سطح تک پہونچنے سے پہلے ہی ہوا میں جا لیا، اس کے بعد اس نے نہایت نفاست کے ساتھ ایک لہر لی، اور پرون کو اکڑا کر فضا میں ادھا میل بلند ہو گیا، یہان پر پہونچ کر اس نے سر موڑ کر مچھلی میں سے ایک لقمہ لیا، اور اس کو پنجون سے چھوڑ دیا، جب یہ لقمہ حلق سے اتر گیا، تو اوس نے اپنے پرون کو سمیٹ کر اپنے آپ کو اس مچھلی کے پیچھے گرایا، اور اس کو پھر فضا ہی میں پکڑ لیا، اور اونچا اڑنے لگا، اس کے بعد اوس نے پھر یہی کیا، یہان تک کہ پوری کی پوری مچھلی اس کے پیٹ مین اتر گئی"۔

ایک سدھائے ہوئے کتے کے سامنے ایک گیند پھینکو، ابھی وہ گیند لڑھک ہی رہی ہوگی کہ وہ اس کو جا لے گا، اور اس کو منہ مین دبا لے گا، یہ تمام مثالین مہارت کی ہین، انسان مین اسکی مثال ایک ماہر تلوار یے کی ملتی ہے، یہ اپنے حریف کے مقابلہ مین کھڑا ہے، حریف اس پر تابڑ توڑ وار کرتا ہے، اور یہ ہر مرتبہ اس کا وار خالی دیتا ہے، لیکن اس مین اسکی کامیابی صرف اس بات پر موقوف

ہوتی ہو کہ وہ اپنے حریف کے وار کے انداز کا پہلے ہی سے اندازہ کرکے اپنے آپ کو اس کے روکنے یا
جواب دینے کے لئے تیار کرلے مہارتی حرکات کی دوسری مثال ماہر کرکٹ کھیلنے والے کی ہے، یہ
کھڑا کھیل رہا ہے، گیند کرنے والا گیند کرتا ہے، اور یہ اس گیند کے انداز کے مطابق اپنے آپ کو تیار کرتا
ہے، اور اپنے بلے سے اس گیند کو مارتا ہے، ان مثالون مین ہم نے "تیاری" کا ذکر کیا ہے، "تیاری" کر
ہماری کیا مراد ہے؟ جسمانی حیثیت سے یہ ایک خاص قسم کی حرکت کرنے کے لئے عضلات وغیرہ مین
ایک خاص قسم کے انضباط کا دوسرا نام ہے، قابل غور بات یہ ہے کہ ایسی مثالون میں اس تیاری
کے لئے وقت کتنا ملتا ہے، ظاہر ہے کہ وقت اس قدر کم ہوتا ہے، کہ دیکھنے اور غور کرنے والون کو تعجب
ہوتا ہے، کہ اس قدر تھوڑے وقت مین یہ تیاری کس طرح ممکن ہوتی ہے، تیسری اور آخری مثال
ہم بندوقچی کی لیتے ہین، اگر ہدف ایک ہزار گز کے فاصلے پر ہو تو بندوق کی نال کے ۱/۱۰۰ انچ سے
بھی کم کے انحراف سے گولی ہدف سے چھ انچ ہٹ کر پڑتی ہے، اب اندازہ کرو کہ گولی کو ٹھیک
ہدف پر مارنے کے لئے اس کو کندھون کے عضلات میں کسقدر نازک انضباط کرنا پڑتا ہے، کیونکہ
ان عضلات کی نسبتہً خفیف حرکت سے ہاتھ اور کلائی کی نسبتہً بڑی حرکت پیدا ہوتی ہے، ہمارا
خیال یہ ہے کہ یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ ماہر نشانہ باز اپنے عضلات مین اگر ۱/۱۰۰۰ انچ نہین، تو ۱/۵۰۰ انچ
تک ضرور انضباط پیدا کرسکتا ہے، یہ حال تو ان عضلات کا ہے، جن مین عام خیال کے مطابق اتنا
نازک تطابق و انضباط پیدا نہین کیا جاسکتا،

مہارت کی جتنی حیوانی اور انسانی مثالین اوپر بیان ہوئی ہین، ان پر غور کرنے سے مہارت
کی چند خصوصیات واضح ہوتی ہین :-

۱- مہارت ایک عضوی آلہ (نظام اعصاب) پر موقوف ہوتی ہے، جو موروثی ہوتا ہے،
اس کی تکمیل ہر فرد بطور خود کرتا ہے، یعنی یہ کہ یہ اکتسابی چیز ہے، نہ کہ پیدایشی، اس تکمیل کے لئے اس

فرد کو ایک خاص حرکت کی مشق کرنی پڑتی ہے، اور اس مشق کے لئے وہ اس کو بار بار دہراتا ہے،
یہان پر یہ غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے، کہ جس طرح ایک نئی مشین کچھ دن چل لینے کے بعد رواں
ہوجاتی ہے، اسی طرح اگر ایک حرکت کو دہراتے رہین، تو اس مین ایسی ہی روانی پیدا ہوجائیگی،
اور یہ کہ مہارت مین صرف یہی ہوتا ہے، یہ خیال غلط ہے، مہارت اس سے مختلف ہوتی ہے،
اس مین رواں حرکات کے علاوہ اور بھی بہت کچھ ہوتا ہے، ایک کتے کو لڑھکتا ہوا گیند پکڑتے
ہوے دیکھو تو اس حالت مین صاف دکھائی دے جاتا ہے، کہ اس میں حرکات کی روانی کے علاوہ
حرکات پیدا کرنے والے آلات کا نازک انضباط بھی شامل ہوتا ہے، گیند پکڑنے کے لئے اس کا
تیز بھاگنا، اور پھر تیز بھاگتے بھاگتے ایسے موقع پر ایک دم رُک جانا کہ لڑھکتی ہوئی گیند اس کے
منہ میں آسکے، بغیر اس نازک انضباط کے ناممکن ہے، یہ کرتب اس کو سیکھنے سے آتا ہے، دوسرے لفظون
مین کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے گزشتہ تجربون سے فائدہ اٹھاتا ہے، اس مہارتی حرکت کو سیکھنے کے دوران
مین اور اس کو سیکھ چکنے کے بعد شعور برابر اس کی حرکات کی رہنمائی کرتا رہتا ہے، لہذا کہنا چاہئے
کہ مہارتی حرکت کی تکمیل شعور کی رہنمائی مین اور اس کے حکم کے مطابق ہوتی ہے،

۲- مہارت کی تکمیل کے لئے دو شرطین ضروری ہین، ایک تو یہ کہ جتنے احساسات کہ حاصل
ہورہے ہین، ان مین بہت نازک، دقیق اور عمیق تعلقات پیدا کئے جائین تاکہ یہ یک جان ہو کر تیاری
اور تیاری کے بعد حرکات کی رہنمائی کرسکین، دو لڑنے والے تلواریون کی مثال پر پھر غور کرو،
ان میں سے ہر ایک دوسرے پر کس طرح نظر جمائے رہتا ہے، اسکی ہر حرکت اور اسکی وضع کی ہر تبدیلی
کو کس طرح نگاہ مین رکھتا ہے، یہ سب کیون؟ صرف اسلئے کہ وہ ان ہی کے مطابق اپنے آپ کو
تیار کرنا چاہتا ہے یا یون کہو کہ اپنے عضلات مین خاص خاص انضباط پیدا کرنا چاہتا ہے، مہارت کی تکمیل کی یہی دوسری
شرط ہے جسقدر نازک باہمی تعلقات ان احساسات میں پیدا کئے جاتے ہین اسی قدر نازک انضباطات عضلات مین

ممکن ہوتی ہین، اسکی بہترین مثال نقاشی، سنگ تراشی، ستار نوازی وغیرہ مین ملتی ہے، ان تمام فنون مین صرف یہی نہین کہ انگلی کے نازک عضلات ہی مین یہ تطابقات اور انضباطات پیدا کئے جاتے ہین، بلکہ ان عضلات مین بھی پیدا کئے جاتے ہین جنکو دھڑ کے موٹے موٹے عضلات کہا جاتا ہے، ہمین معلوم ہو کہ کرکٹ کھیلنے والے، بائسکل چلانے والے اور ورزش کرنیوالے مچھلی کے شکاری، تیر انداز، اور بندوقچی، ان سب کی ماہرانہ حرکات مین بہت سے، اور مختلف مقامات کے عضلات کے نازک تطابق کے مختلف درجون کی مثالین ملتی ہین، پھر اس کا بھی خیال رکھنا چاہئے کہ یہ تطابقات نہ صرف یہ کہ صحت کے ساتھ، بلکہ بہت جلدی بھی پیدا کئے جاتے ہین، تلواریئے اور کرکٹ کھیلنے والے کی جو مثالین ہم نے اوپر بیان کی ہین، ان مین ہمارے اس قول کا ثبوت ملتا ہے،

۳- تلواریے اور کرکٹ کھیلنے والے کی مثالون سے مہارت کی ایک اور خصوصیت نمایان ہوتی ہے، کرکٹ کھیلنے والا گیند کرنے والے کے انداز کے مطابق اپنے آپ کو ایک خاص حرکت کیلئے تیار کرتا ہے، لیکن کیا یہ ممکن نہیں کہ گیند، گیند کرنے والے کے ہاتھ سے نکلنے کے بعد اور اس تک پہونچنے سے قبل اپنی وضع اور اپنا انداز بدل لے، ؟ یعنی یہ کہ کھیلنے والے کو چوکنا رہنا پڑتا ہے، اگر یہ صورت پیدا ہوتی ہے، تو اس کو اپنی پہلی تیاری کو ترک کرکے فوراً ہی دوسری تیاری کرنی پڑتی ہے، یا اس کو اپنے عضلات مین ایک نیا تطابق اور انضباط پیدا کرنا پڑتا ہے، یہی حال تلواریئے کا ہے، یہی وجہ ہے کہ جس گیند کرنے والے نے کوئی نیا طریقہ گیند کرنے کا، یا جس تلواریے نے کوئی نئی طرز وار کرنے کی ایجاد کی ہے، وہ اپنے حریف کے لئے بہت خطرناک ہوتا ہے، اب سوال یہ ہے، کہ یہ نئی تیاری اس قدر کم وقت میں کس طرح ممکن ہوتی ہے، جواب ظاہر ہے، یہ ہی کہ یہ تجربے یا تجربے سے فائدہ اٹھانے کی قابلیت کا نتیجہ ہوتی ہے، ایک ماہر دوسرے ماہر کی حرکات کا ابتدا ہی سے اندازہ لگا لیتا ہے، کہ اس حرکت کا انجام کیا ہونے والا ہے، اور اسی لئے جو حرکت

کہ یہ اپنے حریف کی حرکت کے جواب مین کرنے والا ہے، اس کا کچھ حصہ پہلے ہی صادر کر دیتا ہے، اس تمام صورتِ حال مین اصلی قابلِ توجہ چیز پرانے انضباط کو ترک کرکے بہت ہی تھوڑی سی دیر مین نئے انضباط کو پیدا کرنے کی قابلیت ہے،

اس سلسلے مین ایک بہت دلچسپ اور حیرت انگیز بات قابلِ ذکر ہے، جس کی تفصیل آئندہ نمبر مین پیش کیجائے گی،

(باقی)

تابعین رض

علم و عمل اور مذہب و اخلاق مین صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے سچے جانشین اور ان کے تربیت یافتہ تابعین کرام رضی اللہ عنہم تھے، اور صحابۂ کرام کے بعد انہی کی زندگی مسلمانون کے لئے نمونۂ عمل ہے، اس لئے سیر الصحابہ کی تکمیل کے بعد دار المصنفین نے اس مقدس گروہ کے حالات کا یہ مرقع مرتب کیا ہے، اس میں حضرت عمر بن عبد العزیزؒ، حضرت حسن بصریؒ، حضرت اویس قرنیؒ، حضرت امام زین العابدین، اور حضرت امام جعفر صادق، حضرت محمد بن حنفیہ حضرت سعید بن مسیب، حضرت سعید بن جبیر، حضرت محمد بن سیرین، حضرت ابنِ شہاب زہری، امام ربیعہ رائی، امام مکحول شامی، قاضی شریح وغیرہ، چھیانوے اکابر تابعین کے سوانح، ان کے علمی، مذہبی، اخلاقی اور علمی مجاہدات اور کارنامون کی تفصیل ہے، از شاہ معین الدین احمد ندوی،

ضخامت ۵۶۰ صفحے، قیمت :- للعہ ر

"منیجر"

تلخیص و تبصرہ

موجودہ یونن مین اسلام

ایک مشنری پال اے کونٹنٹو نے تبلیغ کے سلسلہ مین چین کے صوبہ یونن کا دورہ کیا تھا، مسلم ورلڈ مین اسکی روداد لکھی ہے، اس مین یہان کے مسلمانون کے متعلق بھی بعض مفید معلومات ہین، وہ لکھتے ہین،

صوبہ یونن جو کبھی چین کا سوئزرلینڈ کہلاتا تھا، انتہائی جنوبی مغربی حصہ مین جہان برما اور انڈوچینا کی سرحد ملتی ہے، واقع ہے، یونن مین مسلمانون کی آبادی دس سے بیس لاکھ تک ہے،

جب ہمارا مشن اس صوبہ مین اپنے کام مین مشغول تھا، تو یہان کے مسلمانون کی آبادی، اور ان کی جغرافیائی تقسیم کی نقشہ نویسی کا کام ہم لوگون کے سپرد ہوا، تبلیغ کے سلسلہ مین چھپر شہرون اور گاؤن مین ہم لوگون نے وعظ کہے، اور بعض جگہون مین کئی کئی دن رہے، ایک زمانہ مین یہان مسلمانون کی بڑی آبادی تھی، اور وہ بااثر تھے، لیکن ۱۸۶۰ء کی بغاوت سے ان کی طاقت اور تعداد کو سخت نقصان پہونچا، ہماری تحقیقات کے مطابق یونن کے پورے صوبہ مین مسلمان ۲۵۰۰۰۰ سے زیادہ نہین ہین اور صوبہ کے مغربی اور مشرقی حصون مین ان کی چھوٹی چھوٹی آبادیان پھیلی ہوئی ہین، ان کے گذشتہ مرتبہ کے زوال نے انھین شمالی مغربی مسلمانون سے بہت زیادہ روادار اور ترقی پسند بنادیا ہے،

قریب قریب تمام مسجدون سے متعلق ابتدائی اور ثانوی اسکول ہین جنھین دیکھکر بڑی حیرت ہوتی ہے، ان مین حکومت کے صیغۂ تعلیمات کے شرائط کو پورا کرنے کے لئے پورا چینی نصاب بھی داخل ہے،

صوبہ کے انتہائی گوشون مین بھی طلبہ مین ایک تہائی لڑکیان ہین، حکومت نے جب مسلمانون کیلئے بھی ابتدائی تعلیم جبری قرار دی تو ان کے آہنگون (لیڈر اور رہنما) نے جدید تعلیم کے خوف سے اپنے مدرسون کو مسجدون سے متعلق کردیا، اور جہان تک ہوسکا، ان مین مسلمان معلمین مقرر کئے، محکمۂ تعلیم سے اس شرط پر اس کی اجازت ملی، کہ عربی اسکول کے تعلیمی گھنٹون کے بعد پڑھائی جائے،

ہم نے تبلیغ کے سلسلہ مین تقریبًا ستر مسجدون کا دورہ کیا، ہر جگہ آہنگ اخلاق سے پیش آئے اور بعض جگہون پر بحث و گفتگو کے لئے دوبارہ دعوت دی، بعضون نے خط و کتابت جاری رکھنے کی درخواست کی، ایک مقام پر ایک آہنگ نے مجھ سے جمعہ کے خطبہ کے لئے اصرار کیا، مین نے اس سے معذوری ظاہر کی، لیکن بشارت کا کافی لٹریچر اس کے حوالہ کردیا، تاکہ وہ انھین نماز کے اوقات مین لوگون کو سنایا کرین، ستر یا اس سے زیادہ آہنگون سے میری ملاقات ہوئی، ان مین صرف تقریبًا دس چینی زبان پڑھ سکتے تھے، اور بیس فیصدی اتنی عربی جانتے تھے، کہ غیر قرآنی ادب بھی پڑھ اور سمجھ سکتے تھے، تین حاجی بھی ملے، ان میں ایک پورا تعلیم یافتہ جامع ازہر مصر اور ایک چینی یونیورسٹی کا گریجوایٹ بھی تھا، اور ایک بڑے ضلع کی مسجد کے معزز عہدۂ آہنگ پر سرفراز تھا، احمدی عقائد کی طرف اس کا میلان تھا، اس نے بائبل کبھی نہیں پڑھی تھی، اور نہ اس کا تعصب اسے اسکی تعلیمات پر غور کرنے کی اجازت دیتا تھا، مین نے عیسوی صحیفہ کے متعلق ہر آہنگ کے خیالات معلوم کئے، انھون نے وہی پرانی باتین دہرائین، اکثر ان کے ایک ہی بیان مین تضاد پایا جاتا ہے، ایک آہنگ کا اصرار تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام انجیل اپنے ساتھ جنت میں لے گئے، پھر یہ بھی کہتا تھا کہ حضرت عیسیٰ جس گھر سے فرار ہوئے تھے، اسی گھر میں انجیل جلادی گئی تھی، یہ خیال بھی اوس نے ظاہر کیا کہ تمہاری کتاب اصلی حالت مین نہیں ہے، تم لوگون نے اس میں بہت کچھ رد و بدل کیا ہے، اور ہمارا قرآن تمام آسمانی کتابون سے افضل اور برتر ہے،

ایک دن جب ہم ایک بڑے گاؤن کو چھوڑ رہے تھے، کہ ایک مڈل اسکول کا لڑکا ہمارے پاس آیا، اور کہنے لگا، کہ میں عیسائی ہوگیا ہون، اور اپنی مختصر سرگذشت بتائی کہ کچھ دنون تک مجھے ایک ایسے شہر مین رہنے کا اتفاق ہوا، جہان کچھ مسلمان عیسائی ہوگئے تھے، ان کی زندگی کے انقلاب کو دیکھ کر مین نے بھی عیسوی مذہب قبول کرلیا، اس سے اندازہ ہوتا ہے، کہ نوجوانون مین تبدیلِ مذہب کی کافی صلاحیت ہے،

ہم نے اس تبلیغی دورے مین پرانے مسلمانون کو حد سے زیادہ متعصب پایا، لیکن نوجوان نسل کے اندر تبلیغ کا پورا موقع ہے، جدید تعلیم اور اپنے ملک کی اصلاح کے شوق نے اسلام کی زنجیرین ڈھیلی کردی ہین، لیکن نئے اسلامی پروپیگنڈے سے ضرور خطرہ ہے، جو ممکن ہے، ان پر بھی اپنا اثر قائم کرے، اب عیسائی چرچ کا کام ہو کہ اس سے پہلے وہ انھین جیت لے،

(مسلم ورلڈ)

تنگ مزاجی

نازک مزاجی یا تنگ مزاجی بہت بڑا عیب ہے، معمولی سی بات ہوئی اور ناک بھون سکڑ گئی، ایسے لوگ یہ نہین سوچتے کہ زود رنجی خوشی اور مسرت کی دشمن ہے، اور وہ عموماً غیر متوازن اور نامعقول ہوتے ہین، ان کے رویہ سے پہلے غلط فہمی پھر ایک طویل اور مسلسل ناخوشگواری پیدا ہوجاتی ہے جس سے دونون فریق رنج اور ضیق مین مبتلا رہتے ہین،

اس عادت بد کو روکنے کی صورت صرف یہ ہے کہ اپنے مزاج کو سمجھنے کی پوری کوشش کیجائے، زندگی مین نظم وضبط پیدا کیا جائے، جو لوگ بعد میں پچھتاتے ہین اور شرمندہ ہوتے ہین، کہ انھون نے بغیر سوچے سمجھے کیون ایسی بات کہدی اور وہ کیون اس قدر جلد خفا ہوگئے، انھین بات کہنے سے پہلے اسے سمجھنا چاہئے، اس کی بہت بڑی وجہ اپنے مزاج کی ناواقفیت ہے، یہی وجہ ہو کہ ایسے لوگ بہت جلد جذبات کی رو مین بہ جاتے ہین، اور اس کے نتائج سے آنکھ بند کرکے اپنے اور دوستون کو دکھ پہنچاتے ہین،

ستم ظریفی یہ ہے کہ جس سے انھین زیادہ محبت ہوتی ہے، وہی ان کی بد مزاجی کے زیادہ شکار ہوتے ہین، اسکی وجہ یہ ہے کہ غیرون کے مقابلہ مین ان کی دوستی انھیں اصلی رنگ مین ظاہر کردیتی ہے اور انھیں ریاکاری کا کوئی موقع نہیں ملتا، اس لئے وہ جا اور بیجا اپنے دوستوں پر برس پڑتے ہین، اور ذرا بھی ضبط سے کام نہین لیتے،

تنگ مزاجی پر گہری نفسیاتی نگاہ ڈالنے سے دو باتین سامنے آتی ہین، پہلے رنجش کی وجہ سطحی معلوم ہوتی ہے، یعنی کسی خاص واقعہ کا فوری یا شعوری اثر مثلاً ایک بیوی اپنے شوہر سے اس لئے لڑنے لگتی ہے، کہ اس نے دروازہ کیون بند کیا، یا ایک دوست بحث مین معمولی سے اختلاف رائے پر اپنے دوست سے کشیدہ ہوجاتا ہے، اس قسم کی معمولی وجہین اپنے اندر ایک راز رکھتی ہین، اور وہ ان کی غیر مطمئن حالت سے بہت زیادہ اہم ہے، پہلی وجہ مین دوسری اصل وجہ کا صرف مظاہرہ ہے،

رنجش کی دوسری اور اصل وجہ تحت شعوری ہے، جو دماغ کے انتہائی گوشون تک سرایت کرچکی ہوتی ہے، جو معمولی اختلاف میں رنجش کی صورت میں ابھر آتی ہے، لیکن ایسے پردون مین لپٹی ہوتی ہے، کہ اسکی صورت صاف نہین دکھائی دیتی، اکثر ایسے لوگ محض معمولی باتون مین جھگڑ پڑتے ہین، اور یہ معمولی بات بڑھتے بڑھتے ناخوشگواری، ذاتی حملے، شکوہ شکایت اور ایک دوسرے پر الزامات تک ...... پہونچ جاتی ہے، ایسی صورتون مین دبی ہوئی چنگاری پہلے سے موجود ہوتی ہی، جو ذرا سی چھیڑ سے فوراً مشتعل ہوجاتی ہے، اور اس کا اثر تحت شعور تک پہونچ جاتا ہے، ممکن ہو ایسے لوگ اس پر بھی اسکی اہمیت کا صحیح اندازہ نہ لگا سکین، اور نہ معلوم کرسکین کہ ایک دبی ہوئی نفرت کیون موجود ہے،؟

خارجی حالات جن پر ان کا کوئی اختیار نہین، سطحی رنجش کو بڑھاتے، اور دبی ہوئی نفرت

کو ابھار دیتے ہین، معاش کی تنگی کاروباری تردّدات دماغی تھکن صحت کی خرابی ناکامی ایسے جذبات کو نازک اور ان کی زندگی کو صبر آزما بنا دیتی ہے، اور وہ اپنے اندر ایک بے چینی محسوس کرتے ہین،

ان مین سے کچھ لوگ اعتدال سے زیادہ کھیل یا کام کا بار اپنے اوپر لے لیتے ہین، اور صحت کی خرابی کے باوجود سارے کام کرتے ہین، ممکن ہے یہ بہادری سمجھی جائے، لیکن حقیقتہً یہ ایک بڑی غلطی ہے، اگر دماغ تھک گیا ہو تو اسے آرام دینا چاہئے، جس قدر تفریح اور کھلی صاف اور تازہ ہوا میسر ہو، اس سے لطف اٹھانا چاہئے، مزاحیہ اور دلچسپ قصے پڑھنے چاہئیں، اور بہت ہی مختصر ہلکی ورزش کرنی چاہئے، جب اعضا پر ان کی قوت سے زیادہ زور ڈالا جائے گا، تو وہ جواب دیدین گے، اور فطرت اس کا سخت انتقام لے گی،

اگر وہ اپنی حالت پر خالص نفسیاتی نقطۂ نظر سے نگاہ ڈالا کرین، تو ان کے مزاج مین کبھی برہمی پیدا نہ ہو، محض سطحی نگاہ سے اصل حقیقت کا پتہ نہین چل سکتا، اس کے لئے اندر گڑے ہوئے تحت شعوری سبب کو ڈھونڈنا چاہئے، اس وقت اس مرض کا علاج ہو سکتا ہے، نازک مزاج لوگ رات کو سوتے وقت اگر اس پر غور کیا کرین کہ کہان اور کیسے ان کا توازن قائم نہ رہا، تو ان کیلئے بہت ہی مفید ثابت ہوگا، اور وہ آیندہ کے لئے محتاط ہو جائین گے،

بعض وقت وہ اس لئے بپھر جاتے ہین، کہ اپنے عمل اور خیال کی تشفی بخش توضیح نہین کر سکتے، الفریڈ ایڈلر (Alfred Adler) نے اس کو "زعم طاقت" بتایا ہے، یعنی دوسرون کے مقابلہ مین اپنی برتری کی خواہش، لیکن مشکل یہ ہوتی ہے، کہ دوسرے بھی اپنے کو بڑا اور برتر سمجھتے ہین، اس کا لازمی نتیجہ برتری کی جنگ ہوتی ہے، اس لئے اس کمزوری پر ہمیشہ نگاہ رکھنا چاہئے، اور جیسے ہی یہ نشہ چڑھنے لگے، ہوشیار ہو جانا چاہئے، اگر ضد اور تنگ نظری

کو چھوڑ کر رواداری اور تحمل کو اختیار کیا جائے، تو ناخوشگواری اور بے نتیجہ ہیجان سے نجات مل جائیگی، سب سے زیادہ مضحکہ خیز، لیکن اسی قدر قابلِ غور یہ امر ہے کہ ایسے لوگون کی ننانوے فی صدی دلیلین بے مقصد ہوتی ہین، اگر واقعی کوئی گتھی ہے، تو آپس مین سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر سے سلجھ سکتی ہے، اس کے لئے خواہ مخواہ بحث کی کیا ضرورت ہو، لفظی فتح کی بجائے حقیقت کے حصول کی کوشش زیادہ مفید اور موثر ہوتی ہے،

تنگ مزاجی کی ایک وجہ یہ بھی ہوتی ہے، کہ اکثر دو گہرے دوست شادی شدہ جوڑے ایک گھر کے افراد ایک دوسرے پر بہت زیادہ توجہ رکھتے ہین، اور ان کی معمولی باتون سے بہت زیادہ اثر لیتے ہین، اور اپنے گرد و پیش کی دنیا پر کبھی نگاہ نہیں ڈالتے، ایسی حالت مین دوست، میان بیوی، اور گھر کے افراد کو دوسرے لوگون سے تعلقات بڑھانے چاہئین، اور آپس مین مشورہ کر کے بیکار کی رنجش کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ کر دینا چاہئے،

ممکن ہے بعض لوگ اس وجہ سے بھی تنگ مزاج ہو جاتے ہون کہ ان کا ماحول ان کی طبیعت اور مزاج کے موافق نہیں ہوتا، یا ان کے دل مین یہ بات بیٹھ جاتی ہے، کہ زمانہ ان کے ساتھ ناانصافی کر رہا ہے لیکن اس کا غصہ ان بیچارون پر نکالنا جو ان کے پاس رہتے ہین، ایک قسم کی کمزوری ہے، ممکن ہے اس سے فوری طور پر کچھ سکون حاصل ہو جائے، لیکن اس سے اصلی مشکلات کا ازالہ نہیں ہو سکتا، ایسا کرنا اپنے اور دوسرون کو دھوکا دینے اور حقیقت پر پردہ ڈالنے کی ایک ناکام کوشش ہے، اس پر غور کرنا چاہئے کہ یہ مشکلات کہان تک خود ان کی پیدا کردہ ہین، اور کس حد تک ان کے رویہ سے بڑھی ہین، اپنے ہم جلیسون پر بگڑنے کی بجائے ان سے رائے اور مشورہ لینا زیادہ مناسب ہے، ممکن ہے ان کی رائے ان کے لئے مفید ثابت ہو، ان کی دوستی ان کی دشمنی سے بہرحال بہتر ہے،

"ا - ع"

حافظہ کو ترقی دینے کا صحیح طریقہ

دنیا مین بہت کم باتین ایسی ہین، جو معنی کی مدد کے بغیر ذہن مین سما اور محفوظ رہ سکین لیکن بدقسمتی سے قوی حافظ کا مفہوم طوطے کی طرح رٹ لینا سمجھ لیا گیا ہے، حالانکہ قوی اور مستحکم حافظہ کے معنی دماغی صلاحیت کی وہ تربیت ہی جس سے کام کی باتیں محفوظ رہین، اور دماغ فضول اور بیکار یادداشتون کا آماجگاہ نہ بنے،

وہ طالب علم جو اپنی کتابون پر جبری نظر ڈالتا ہے، یا کلاس میں مٹر گشت لگاتا ہے، اور لیکچر مین اس کا دماغ کہین سیر مین مشغول ہوتا ہے، اس کے کانون مین بھی ادھر ادھر کی کچھ باتین پڑجاتی ہین، ممکن ہی کسی بات کو وہ توجہ سے سنے، اور وہ کان مین پڑی رہ جائے، مثلاً اگر اس سے پوچھا جائے، کہ پانی پت کی پہلی لڑائی کب ہوئی، تو اس کا جواب ہوگا، کہ تقریباً پندرہ سو کچھ مین ہوئی، لیکن حافظ کی یہ قسم حقیقی حافظ نہین، بلکہ یہ حافظ کی آنکھ مچولی ہے، حافظہ یہ ہے کہ اس پر پوری قدرت ہو یعنی حافظ اس کے تابع ہونا چاہئے، اسے حافظہ کے تابع نہ ہونا چاہئے حافظہ کی تربیت کی بعض تدبیرین یہ ہین، اس کے چار طریقے ہین،

۱- فوری حافظ (۲) رٹو یا میکانکی حافظہ (۳) منطقی حافظہ (۴) مربوط یا تلازمی حافظہ، یہ سب طریقے اپنی اپنی جگہ پر کارآمد ہین، لیکن دیکھنا یہ چاہئے، کہ ان مین کون کسکی طبیعت کے موافق ہے، اور کون طریقہ کہان موزون ہوگا، اس لئے ان مین سے ہر ایک پر نگاہ ڈالی جائے،

فوری حافظ:۔ بعض باتین ایسی ہوتی ہین جنکی ضرورت محض خاص اوقات پر ہوتی ہی، اس کے بعد وہ بیکار ہوجاتی ہین، جیسے ٹیلیفون کا نمبر ملانا، گفتگو کے بعد ٹیلیفون کا نمبر دماغ مین محفوظ رکھنا ایک بیکار سی بات ہی، قوی اور صحیح حافظ اس صلاحیت کا نام ہے، کہ جس بات کی ضرورت نہ ہو فوراً دماغ سے باہر کردی جائے،

میکانکی یا رٹو حافظہ:۔ بار بار ایک ہی بات کو یاد کرتے رہنے کا نام ہے، یہ طریقہ اس وقت مفید ہو سکتا ہی جب کوئی ایسی نئی بات ہو جس کا منطقی رشتہ ان باتون سے نہیں قائم کیا جاسکتا، جو دماغ میں موجود ہین، یہ طریقہ آخری تدبیر ہونی چاہئے، لیکن بدقسمتی سے یہی طریقہ سب سے زیادہ رائج ہی، اور بعض لڑکون کو تو صرف یہی ایک طریقہ معلوم ہوتا ہی، اس مین شک نہیں کہ یہ طریقہ بھی خاص حالتون مین مفید ہی لیکن اس کے یہ معنی نہین ہین، کہ یہ حافظہ کی تمام دوسری قسمون پر چھا جائے،

منطقی یا استدلالی حافظہ:۔ حافظ کی بہترین صورت یہ ہی کہ مختلف ٹکڑون مین منطقی اور استدلالی ربط قائم کیا جائے اس طرح سے ہر ٹکڑہ ایک کل کا جزء ہو جائیگا، جس کا یاد کرلینا کوئی بڑی بات نہیں ایک مرتبہ منطقی ربط قائم کرلینے کی زحمت ہزار مرتبہ کے رٹنے کی تکلیف سے کہین بہتر ہی، جو طالب علم مختلف باتون مین تھوڑا وقت صرف کرتا ہی، وہ آخر مین بہت وقت بچا لیتا ہی کیونکہ اس سے ساری باتین اس کے دماغ مین نقش ہو جاتی ہین، جو آسانی سے نہین مٹتین،

مربوط یا تلازمی حافظہ:۔ جب کسی موضوع کے مختلف حصون مین کوئی ربط قائم کیا جائے، تو اسے مربوط حافظہ کہا جائیگا، یہ رشتہ منطقی یا غیر منطقی دونون ہوسکتا ہی، ممکن ہی یہ ربط اصلی ہو یا مصنوعی جہان کوئی ربط پہلے سے موجود رہتا ہی وہان تو آسانی ہوتی ہی، لیکن جہان مفقود ہوتا ہی وہان رشتہ قائم کرلینا بھی مفید ہوتا ہی اگر ایک نئے مضمون کے بعض پہلو کسی دوسرے مضمون کے پہلوؤن سے جو پہلے سے ہمارے دماغ مین موجود ہیں مشابہ ہوں یا ان کے ضد ہون تو یہ مشابہت اور ضد ربط قائم کرنے مین بہت معاون ہوتی ہی،

انکے علاوہ موضوع کے مباحث کی درجہ بندی انکے حدود اربعہ کا قیام، وقت اور جگہ کی تعیین وغیرہ جملہ پہلوؤن کی ترتیب و تنظیم حفظ مین بڑی آسانی پیدا کر دیتی ہی، ایک چیز کو ایک مرتبہ دیکھ لینے کے بعد اسے زبانی دہرانا چاہئے، ایسا کرنے سے وہ خلا معلوم ہوجاتا ہی، جہاں ربط ٹوٹ جانے سے یادداشت دماغ کی گرفت سے باہر ہو جاتی ہی، ایسے خلاؤن پر خاص توجہ کرنی چاہئے اور شکستہ کڑیون کو جوڑ کر انکا سلسلہ ملا دینا چاہئے، "ا-ع"

اخبار علمیہ

مصنوعی گرہن

حال ہی میں طیارہ شکن توپ کی شکل کا ایک فلکی آلہ تیار کیا گیا ہے، جو گرمیون کے موسم مین دنیا کی سب سے بڑی رصدگاہ مین نصب کیا جائے گا، یہ رصدگاہ فریمنٹ پاس کلائمکس کولو (Fremont Pass Climax Colo.) مین جو سمندر کی سطح سے ۱۱۲۰۰ فٹ کی بلندی پر واقع ہے، اس آلہ کا نام کوروناگراف (Coronagraph) ہے، یہ نقاب کے خاص پردون کے ذریعہ نگاہ مین مصنوعی گرہن دکھاتا ہے، اس کی ایجاد کی غرض حلقۂ شعاعی کا مطالعہ ہے، جو صرف مکمل گرہن مین ممکن ہے، توقع ہے، کہ اس تجربہ سے مقناطیسی ہوا کے ان اثرات کے متعلق جن کی وجہ سے ریڈیو ٹیلیگراف، ٹیلیفون کے مراسلات مین دقتیں پیدا ہو جاتی ہین، مفید معلومات حاصل ہونگے،

کیا سوچنے مین بھی عضلات کام کرتے ہیں

ولیم اے شا پروفیسر کولمبیا یونیورسٹی کا دعوی ہے کہ یہ ممکن نہین کہ ہم دماغی محنت کرین، اور ہمارے رگ اور پٹھون کو مکمل سکون حاصل رہے، اور اس کا ان پر کوئی اثر نہ پڑے، انھون نے حال ہی مین عضلات پر غور و فکر کے اثرات کے متعدد دلچسپ برقیاتی تجربے کئے ہین، چنانچہ برقیاتی موجون کو کئی آدمیون کے بازوؤن پر باندھا اور انھیں تار کے ذریعہ آلہ سے لگا کر زیر برقیہ شعاع کی نالی

تک پہنچا دیا، اس عمل سے عضلات کی حرکت سے معمولی برقیاتی لہرین پیدا ہونے لگین، اور نالی کے پردون پر خطون کی شکل مین ظاہر ہوگئین، اور اس پر ان کا فوٹو لیا گیا، ان کا تجربہ ہے کہ اگر انسان پہلے آرام کرسی پر لیٹ کر کوئی وزنی چیز اٹھائے، اور پھر اسے رکھدے، تھوڑی دیر کے بعد بغیر کسی حرکت کے یہ سوچے کہ مین وزن اٹھا رہا ہون، تو عضلات کے حرکات کی پہلی تصویر نالی کے پردون پر آجائیگی،

شعاع موت

کلیولینڈ اوہیو (Cleveland Ohio) کے ڈاکٹر انٹونیو لونگاریا (Anton io Longaria) نے ایک ہلاک کن آلہ ایجاد کیا ہے، اسکی شعاع سے چار میل تک کی اڑتی ہوئی چڑیان موت کا شکار ہو جاتی ہین، اس شعاع کے اثر سے کوئی تکلیف نہین ہوتی، بلکہ وہ خون کو ایسے مادہ مین بدل دیتی ہے، جس کا نتیجہ موت ہوتا ہے، ڈاکٹر مذکور نے بہت سے علمائے ہیئت کے سامنے اس شعاع کا کرشمہ دکھایا، اس کے اثر سے بلی چوہے اور خرگوش فوراً مر گئے، اور موٹے لوہے کے پنجرے بھی انکو اس کے اثر سے نہ بچا سکے، ڈاکٹر موصوف کا خیال ہے، کہ انسان بھی اس کی تاب نہین لاسکتا، وہ خود ایک مرتبہ کینسر کے علاج کے تجربہ مین اسکی زد میں آتے آتے بچ گئے، لیکن انسانی ہمدردی کے جذبہ میں انھون نے اس آلہ کو تلف کر دیا،

بے کوک کی فضائی گھڑی

حال ہی مین ایک گھڑی ایجاد ہوئی ہے جس کے لئے کوک کی حاجت نہین، ایک مرتبہ چل جانے کے بعد خود بخود مسلسل چلتی رہتی ہے، اسکی دیکھ بھال کی ضرورت نہیں ہوتی، کبھی اوقات کی صحت کیلئے معمولی سی توجہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسکی نازک مشین ایک اسپرنگ سے چلتی ہے، جو فضا کے تغیرات

کے ساتھ گھومتی رہتی ہے، یہ عام بے مائع بار پیمائے اصولوں پر مبنی ہے، جو فضا کے تغیرات کو مقیاس
پر لکھتا ہے، اور اس سے موسم کی تبدیلی کا پتہ چلتا ہے، اس مشین مین کیمیاوی طور پر ایک چھوٹی سی
بند ڈبیہ ہی جس کے ایک طرف لچکدار فلزاتی پردہ ہے، اس پردہ سے ایک نازک سی زنجیر مرکزی
اسپرنگ تک جاتی ہے، اور جیسے جیسے فضا مین تغیر ہوتا جاتا ہے، پردہ کی حرکت کی قوت اس ڈبیہ
مین جمع ہوتی رہتی ہی، اور اس کو گھڑی کے پرزون مین منتقل کردیتی ہے جس سے گھڑی چلتی رہتی ہی،

گیس کی نئی محفوظ ٹنکی

امریکہ مین ہوائی جہازون کے گیس خزانہ کی حفاظت کے لئے ربڑ کی ٹنکی بنائی گئی ہے، یہ اتنی
مضبوط ہے، کہ اس پر فولاد کی چادر توڑنے والی گولیان چلائی گئین، لیکن اس پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا،
بڑے بڑے سائنس دانون کے سامنے اسکی نمایش کی گئی، اس ایجاد سے امید ہی کہ آیندہ طیارہ شکن
بندوقون کی گولیون کا اس ٹنکی پر کوئی اثر نہ ہوگا، اس سے پہلے ہلکی لکڑیون کی ٹنکیان بنتی تھین جنھین
گولی لگنے سے آگ لگ جاتی تھی، اور ہوائی جہاز تباہ ہو جاتا تھا، یہ نئی ٹنکی ایک قسم کے ربر سے بنائی
گئی ہے، جس مین سخت سے سخت ضرب سے سوراخ نہین ہوسکتا، بلکہ گولیان ٹکرا کر اچٹ جاتی
ہین، مزید حفاظت کیلئے اس پر المونیم اور بعض دوسری دھاتون کے مرکب کا ایک اور خول چڑھایا
گیا ہے، اس نئی ایجاد کا امتحان موجودہ جنگ مین لیا جائے گا،

ناول نگار کا قبرستان

چارلس موریس مارٹن (Charles Morris Martin.) ایک مشہور افسانہ نگار ہے
اس کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ اپنے افسانون مین کردارون کی جان بہت لیتا ہے، اور ان مین کچھ

طبعی موت بھی مرجاتے ہین، اس خصوصیت کی وجہ سے اس کے افسانون مین قتل وخون کا بازار
گرم رہتا ہے، وہ ڈاکوؤن جاسوسون اور وحشیون کی زندگی کے مرقعے کھینچتا ہے، اس سلسلہ مین
اس کی یہ دلچسپ جدت قابل ذکر ہے، کہ اس نے اپنے مکان کے احاطہ مین اپنے کردارون کا
ایک فرضی قبرستان بنایا ہی، جہان وہ سب ابدی نیند سو رہے ہین، اور ان مین ہر فرضی قبر پر کتبہ
لگا ہوا ہی جس مین صاحب قبر کے کارنامے اور تاریخ وفات درج ہین،

امراض شکم کی تشخیص کا نیا آلہ

پیٹ کے امراض کی جانچ کے لئے ایک کیمرہ ایجاد کیا گیا ہی اس کی جسامت سگریٹ سے
کچھ ہی زیادہ ہی، اس کے کنارے ربڑ کی بڑی سی نلکی لگی ہے جس کے آخر مین ایک پمپ ہے، اس
کیمرے سے پیٹ کی اندرونی حالت کی تصویر لیجاتی ہے، اسے مریض کے پیٹ کے اندر داخل
کردیا جاتا ہے، اور پمپ کے ذریعہ پیٹ کو پھلا کر کیمرہ مین لگے ہوئے چھوٹے سے ٹارچ سے روشنی
کردی جاتی ہے، اس روشنی کی مدد سے، پیٹ کے تمام اندرونی حصون کی تصویر لے لی جاتی ہے
اور یہ پورا عمل ایک منٹ کے اندر انجام پاجاتا ہے، اور اسکے لئے کسی خاص اہتمام کی ضرورت نہین ہوتی

مصنوعی جوہر حیات

(Panto Thenic acid) پینٹو تھینک ایسڈ ایک ضروری اور اہم حیاتین
ہے، جو انسان کی تمام رگون مین موجود ہوتی ہے، اسے عام طور سے جوہر حیات کہتے ہین اب اسکو
کیمیاوی طریقہ سے تیار کیا گیا ہے، توقع ہے کہ بہت سے امراض کے علاج مین اس سے بڑی
مدد ملے گی،

"ع"

ادبیات

داغِ جگر

از

جناب جگر مراد آبادی،

یہی حسن و عشق کا راز ہے، کوئی راز اسکے سوا نہین
کہ خدا نہین تو خودی نہین، جو خودی نہین تو خدا نہین

جو ستمون مین خلش نہین، جو اذیتون مین مزا نہین
ترے حسن کا بھی قصور ہے، مرے عشق ہی کی خطا نہین

مرے جذبِ عشق پہ رحمتین، مجھے بے بسی کا گلہ نہین
ترے جبرِ حسن کی خیر ہو، مرے اختیار مین کیا نہین

مرا ذوق بھی مرا شوق بھی ہے بلند سطحِ عوام سے
ترا ہجر بھی ترا وصل بھی مرے دردِ دل کی دوا نہین

جسے مین بھی خود نہ بتا سکون مرا راز دل ہے وہ رازِ دل
جسے غیر دوست سمجھ سکے مرے ساز مین وہ صدا نہین

یہ طریقِ جہد تو خوب تر، مگر اے واعظِ بے خبر
اُسے ساز گار ہو زہد کیا جسے معصیت بھی روا نہین

وہی ربطِ عشق و جمال ہے، ترا اور کچھ جو خیال ہو
یہ سمجھ تجھی مین ہے کچھ کمی، یہ نہ کہہ کہ جنسِ وفا نہین

وہی بزم ہو وہی اہلِ بزم مگر آج ہے مرا حال کیا
یہ گمان ہے کہ حقیقةً کوئی اور تیرے سوا نہین

مرے درد مین یہ خلش کہان، مرے سوز مین یہ تپش کہان
کسی اور ہی کی پکار ہے، مری زندگی کی صدا نہین

وہ ہزار دشمنِ جان سہی، مجھے پھر بھی غیر عزیز ہے
جسے خاکِ پا تری چھو گئی وہ بُرا بھی ہو تو بُرا نہین

مرے شعر مین بھی نزاکتین مری نظم مین بھی لطافتین
مری فکر مین کہین اے جگر ادبِ لطیف کی جا نہین

حشرِ جذبات

از جناب ثاقب کانپوری

اگرچہ جلوہ ترا خوگرِ حجاب نہین
مگر یہ میری نظر ہے جو کامیاب نہین

رہینِ ضبط و سکون میرا اضطراب نہین
کہ تیرا عہدِ تمنا خیال و خواب نہین

تو اپنے عشق مین اتنا تو جذب پیدا کر
کہ جلوہ خود ہی پکارے کوئی حجاب نہین

رہے گی حسرتِ نظارہ عمر بھر تجھکو
تری نظر کو خود اندازۂ حجاب نہین

امید تجھ سے بھلا کیا ہو اے فریبِ نمود
مری نگاہ ابھی تک تو کامیاب نہین

نہیں ہے اب مرا دل شکوہ سنجِ مستوری
کہ دیکھتا ہوں جہانتک کوئی حجاب نہین

گزر گئی ہین تری بے نیازیان حد سے
کہ میرا گریۂ شب تک بھی مستجاب نہین

فریبِ حسن ہے یا ہے سکون ہی مجھکو
مین کہہ رہا ہوں میرے دل کو اضطراب نہین

ادھر بھی کاش ہو تیری نگاہِ لطف نواز
کہ میرے شوق کی دنیا مین انقلاب نہین

رہِ مراد مین جس نے کہ جان تک دیدی
تو اس کو کس لئے کہتا ہے کامیاب نہین

عجیب عشق کی مجبوریان ہین اے ثاقب
وہ سامنے ہین، مگر دیکھنے کی تاب نہین

کلیاتِ شبلی اُردو

مولانا شبلی مرحوم کی تمام اردو نظمون کا مجموعہ،

قیمت :- ۸ر

"منیجر"

باب التقریظ والانتقاد

کتاب التفہیم ابی ریحان بیرونی

یہ مشہور حکیم ابوریحان بیرونی کی اہم تصنیف ہے، جس کو اس نے سنہ ۴۲۰ھ میں ایک علم دوست خاتون ریحانہ بنت حسین خوارزمی کی درخواست پر تالیف کیا تھا، اس کتاب کے دو نسخے ہین، ایک عربی اور دوسرا فارسی مین، یہ دونوں نسخے کئی دفعہ کتبخانون میں نظر سے گذرے اور کبھی خیال بھی نہیں ہوسکتا تھا، کہ یورپ کے سوا اس زمانہ میں کوئی اور تکلیف کرکے اور مصارف برداشت کرکے ان کو طبع کرنے کی ہمت کرے گا، لیکن خدا کا شکر ہے، کہ اب خود اسلامی ملکوں میں ایسے باہمت اہل علم پیدا ہوگئے ہین جو اس قسم کے علمی کاموں سے دلچسپی لینے لگے ہین،

مصر و شام اور ہندوستان مین تو مدت سے علمی کتابوں کی اشاعت کا کام انجام پا رہا ہو، مگر اب ایران نے بھی اپنی پوری عظمت کے مطابق انقلاب حال کے بعد ادھر توجہ کی ہے، اور ہر سال متعدد قدیم تصنیفات کی اشاعت کا فخر حاصل کر رہا ہو، پیش نظر کتاب التفہیم لاوائل صناعۃ التنجیم اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے، آقائی جلال ہمائی نے بڑی محنت کد و کاوش اور تحقیق و تنقید کے ساتھ اس کتاب کے ایک قدیم فارسی نسخہ کو صحیح کرکے چھپوایا ہے، اور سارے اہل علم کے شکریہ کے مستحق ہوئے ہین،

مصحح کی محنتون، کاوشون، اور تحقیق کی مثالوں کو دیکھکر یہ بات بلا مبالغہ کہی جاسکتی ہے، کہ اگر یورپ کا کوئی عالم بھی اسکی تصحیح و اشاعت کا فرض انجام دیتا، تو اس سے زیادہ نہین کرسکتا تھا،

شروع مین ۱۹۰ صفحون کا مقدمہ ہے، جس میں پہلے مصنف اور اس کی اس تصنیف کا پورا حال ہے، اور پھر اس نسخہ خاص کی کیفیت کا بیان اور اس کے پڑھنے کے مشکلات اور اس کے اغلاط و تحریفات کے نمونے ہین جنکو مصحح نے دوسرے نسخون، مصنف کی دوسری کتابون اور علم ہیئت کی دوسری تصنیفات کی مطابقت سے حل کیا ہے، اس کے بعد ان ۹۹ کتابون اور رسالون کی فہرست دی ہے جن مین اکثر قدیم و نایاب ہین، جن سے مصحح نے اپنے اس کام میں مدد لی ہے،

بعد ازین ان فارسی الفاظ و اصطلاحات کا ایک فرہنگ ہے، جو کتاب مین استعمال کئے گئے ہین، اور جو اب عام طور سے سمجھے نہیں جا سکتے، اسی کے ساتھ اون ہندی او سنسکرت الفاظ کا مختصر فرہنگ ہے، جو بیرونی کی اس کتاب میں آئے ہین،

اب اصل کتاب آتی ہے، کتاب کا اصل مقصد تو علم نجوم کے احکام کا بیان ہے، مگر اس کے سمجھنے کے لئے ریاضی و ہیئت کے بہت سے مسائل کی تمہید ہے، اس لئے مصنف نے مقدمہ میں تصریح کی ہے، کہ اسکی یہ کتاب چار حصّوں میں ہے، پہلا ہندسہ مین، دوسرا حساب مین، تیسرا صورتِ عالم مین، اور چوتھا احکام نجوم مین ہندسہ اور حساب کے حصّے تو مختصر ہین، لیکن صورتِ عالم یعنی آسمان و زمین کے حالاتِ طبعی، اور دوسرے فلکی اشکال کی توضیح کا حصہ اچھا خاصہ بڑا ہے، اور آخری بحث پر کتاب کا خاتمہ ہو،

حکمائے اسلام مین بیرونی وہ شخص ہے جس نے کبھی مسائل میں اگلوں کی تحقیقات کی مقلدانہ پیروی نہیں کی ہے، بلکہ ہمیشہ اپنی ذاتی تحقیق سے کام لیا ہے، اسی لئے علوم و فنون کی تاریخ مین اس کا خاص پایہ ہے،

عام طور سے قدیم طب اور فلسفہ کی کتابون میں یہ لکھا ہے، کہ زمین کا معتدل ترین حصہ وہ ہے، جو خطِ استوار کے مقابل واقع ہے، طب میں اس مسئلہ نے یون دخل پایا، کہ چونکہ یہ معتدل

حصہ ہی، اس لئے یہان کے رہنے والون کا مزاج انسانی بھی معتدل ترین ہوگا، مگر یہ تمامتر افسانہ ہی، ظاہر ہو کہ یہ خط استوا افریقہ کے سیاہستان سے گذرتا ہے، اوس کو اعتدالِ طبع سے کیا سروکار ہو سکتا ہے، علامہ بیرونی اسی کو لکھتے ہین،

"فاما بعضے مردمان گمانے برند براو کہ طبع و مزاج او معتدل است ان خطاست وگوای برخلاف این گمانے آنست کہ ہمی بینی از سوختگی مردمانش وآنک باشان نزدیک است ہم بلون وہم بموے وہم بخلقت ناہموار وہم بحز کوتاہ، وکے تواند بودن، اعتدال بجائے کہ آفتاب مغز سر مردمانش را از زبر ہمی جوشاند تا چون از سمت الراس میل کند، بدان دو وقت کہ ما اندر تابستان و زمستان خوانیم بحتگی خشکی، یا بند و بیا سایند، (ص ۱۷۱)

کتاب ۵۰۵ صفحون پر تمام ہوئی ہی اس کے بعد مصحح نے بڑی دقتِ نظر سے متعدد فہرستین لگائی ہین، پہلی فہرست اشخاص کے نامون کی ہے، اور جہان جہان وہ نام آئے ہین، ان کے صفحون کا حوالہ ہے، اسی طرح کی دوسری شہروں اور قبیلون کی ہے، تیسری کتابون کے نامونکی ہے، چوتھی مقامین کتاب کی فہرست ہے، آخر میں نسخون کے اختلافات کی فہرست ہی سب سے آخر میں اغلاط نامہ ہے، جس کے داغ سے افسوس ہی کہ کم کتابین خالی رہتی ہین،

متن کتاب کے نیچے مصحح نے مسائل اشخاص، اعلام، اور دوسرے ضروری امور پر کثرت سے حاشیے لکھے ہین، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مصحح ان علوم میں کامل دستگاہ رکھتے ہین، اور اپنے فرض کو بڑی محنت اور خوبی سے انجام دیا ہے،

کتاب چاپ خانہ مجلس طہران میں طبع ہوئی ہے، اور کتاب خانہ دانش کلکتہ سے مل سکتی ہے

"س"

مطبوعات جدیدہ

تفسیر سورہ عبس مولینا حمید الدین فراہی رحمۃ اللہ علیہ مترجمہ مولنا امین احسن صاحب اصلاحی تقطیع چھوٹی ضخامت ۵۰ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت :- ۶/ پتہ :- مکتبہ حمیدیہ سرائے میر ضلع اعظم گڈہ،

ترجمان القرآن مولانا حمید الدین رحمۃ اللہ علیہ کی کوئی تفسیر ندرتِ خیال سے خالی نہین ہوتی سورہ عبس کی شانِ نزول کے متعلق روایتون مین باختلافِ الفاظ یہ واقعہ ملتا ہے، کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلعم بعض سردارانِ قریش کے ساتھ تبلیغ اسلام کی گفتگو مین مشغول تھے، کہ ایک غریب اور نابینا صحابی حضرت ابن ام مکتوم آگئے، اور آپ سے تعلیم کی درخواست کی، یا کوئی اور بات کہی، آنحضرت صلعم کو انکا یہ بے محل آنا ناگوار ہوا، اور آپنے اُن سے اعراض فرمایا، اس پر یہ تنبیہ نازل ہوئی، اس روایت کو بجنسہٖ صحیح مان لینے سے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اخلاقِ نبوی پر یہ حرف آتا ہے کہ آپ نے سردارانِ قریش کے مقابلہ مین ایک طالبِ حق غریب اور نابینا صحابی کو ناقابلِ التفات تصور فرمایا لیکن درحقیقت ایسا نہین ہے، مفسر رحمۃ اللہ علیہ نے اسکی تفسیر مین اسی حقیقی پہلو کو پیشِ نظر رکھا ہی اور اسکو ایسے دلنشین طرز سے ادا کیا ہے، جس سے روایتون کا بھی انکار نہین ہوتا، اور اسکی ظاہری بدنمائی بھی باقی نہین رہتی ان کے نزدیک یہ سورہ منذرات مین یعنی ان سورتون میں ہے، جو کفار ومنافقین کی تہدید وسرزنش کے لئے نازل ہوئی ہین، اور اس کا پیرایہ یہ اختیار کیا گیا ہے کہ انھین براہِ راست

وعید کے بجائے رسول اللہ صلعم کو ایسے لوگوں کے پیچھے وقت ضائع کرنے سے روکا گیا ہے، جو تمرد و سرکشی کی وجہ سے حق کی آواز کو سننا نہیں چاہتے، اور ان کے بجائے طالبین حق پر توجہ صرف کرنے کی ہدایت فرمائی گئی ہے، اس پہلو کی وضاحت کے بعد یہ صاف ہو جاتا ہے کہ آنحضرت صلعم کو ابن ام مکتومؓ کا آنا اس لئے ناگوار نہیں ہوا تھا، کہ آپ سرداران قریش کے مقابلہ مین ان کو ناقابل توجہ تصور فرماتے تھے، بلکہ اسلئے ناپسند ہوا کہ غریب اور خستہ حال مسلمانون کو دیکھ کر صنادید قریش کی خودی اور سرکشی اور بڑھتی تھی، اس لئے آپ کو یہ خطرہ تھا، کہ ابن ام مکتومؓ کو دیکھ کر ان کے پندار کو ٹھیس نہ لگے، اور وہ یہ نہ کہین کہ ہم الیسے ادنیٰ درجہ کے لوگون کی سطح پر نہین اتر سکتے، دوسرا خطرہ یہ تھا کہ یہ متکبر ابن ام مکتومؓ کی ظاہری حالت کو دیکھ کر ان کے ساتھ کوئی توہین آمیز برتاؤ نہ کرین، ان اسباب کی بنا پر آنحضرت صلعم نے ان کا آنا ناپسند فرمایا،

پھر عتاب کا ظاہری رُخ گو آنحضرت صلعم کی جانب ہے لیکن اسکے اصل مخاطب درحقیقت کفار و منافقین ہین، جو ایک بلیغ طریقہ ادا ہے، اسی پہلو سے پوری سورہ کی دلنشین تفسیر ہے، سورہ کے مضمون کا انذار سے تعلق، پھر اس کے تمام اجزاء کا ایک دوسرے سے ربط و علاقہ بتایا گیا ہے، مؤلف کے دوسرے تفسیری رسالون کی طرح یہ رسالہ بھی شاخ در شاخ گوناگون مباحث، تحقیق و تنقید آیات قرآنی سے استدلال، دلنشین عقلی دلائل اور وجدانی لطائف و نکات وغیرہ مؤلف کی تمام تفسیری خصوصیات کا حامل ہے، ترجمہ بہت سلیس ہے، ص ۱۹ مین جو خیالات نقل کئے گئے ہین، وہ اگرچہ کفار کے ہین لیکن سوے ادب کے خیال سے انھین دوسرے الفاظ مین ادا کیا جا سکتا تھا، حسن نیت سے اتنا تغیر کر دینا ترجمہ کی دیانت کے خلاف بھی نہ ہوتا،

تاریخ جنوبی ہند مولفہ جناب محمود خان صاحب تقطیع بڑی ضخامت ۴۰۲ صفحے،

کاغذ، کتابت و طباعت بہتر، قیمت ے رہ پتہ:- مولوی محمد اسحاق مالک مسلم بک ڈپو

نیو مارکٹ بنگلور سٹی،

ہندوستان کی تاریخ مین جنوبی ہند کی اہمیت کچھ کم نہین، شمال سے ہندو حکومتون کے خاتمہ کے بعد جنوبی ہندوستان ہی ہندو تہذیب و تمدن کا محافظ تھا، لیکن اس کا تعلق شمالی ہند کی مرکزی حکومتون سے بہت کم رہا ہے، اسلئے اردو اور فارسی میں اسکی کوئی مستقل تاریخ نہین لکھی گئی تھی، سیاحون کے بیانات اور بعض فارسی تاریخون مین ضمناً کچھ حالات مل جاتے ہین، اس لئے اردو مین اس کی مستقل تاریخ کی ضرورت تھی، محمود خان صاحب مولف "سلطنت خداداد" شکریہ کے مستحق ہین، کہ انھون نے بڑی محنت و تلاش سے اردو مین جنوبی ہند کی یہ ضخیم تاریخ مرتب کر دی، اس مین عہد قدیم سے لیکر انگریزون کے قبضہ تک پوری تاریخ ہے، قدیم دور کی تاریخ بڑی حد تک تاریکی مین ہے، اسلئے اس دور مین صرف ڈریویڈین اور جنوب کے قدیم آرین کی تہذیب و معاشرت ان کے حکمران خانوادون، طرز حکومت، جنوبی ہند کی زبانون، اور اس سے مسلمانون کے قدیم تعلق کا مختصر ذکر ہے، اس کا تاریخی دور مسلمانوں کے حملہ کے زمانہ سے شروع ہوتا ہے، چنانچہ اس کے پہلے دور مین سلطان علاء الدین خلجی کے ابتدائی حملون سے لیکر جنوبی ہند کی تسخیر اور حکومت دہلی سے اس کے الحاق، پھر علاء الدین کے زمانہ کے سیاسی انقلابات محمد تغلق کے دوبارہ قبضہ، پھر اسکے امراء کے اختلاف، خود غرضی، اور ہندوؤنکے اتحاد سے جنوبی ہند سے اس خاندان کی حکومت کے خاتمہ کے مفصل حالات ہین، دوسرے دور مین دکن مین اسلامی حکومتون کے قیام جنوبی ہند سے اُن کے تعلق، ریاست وجیا نگر اور دوسری ہندو ریاستون سے ان کی لڑائیون کی تفصیل ہے، تیسرے دور مین دکن پر مغل سلطنت کے حملون، مرہٹوں سے جنگ اور اورنگ زیب کی فتوحات، اور جنوبی ہند پر اس کے قبضہ کی تاریخ، پھر اس کے جانشینون کی نااہلی سے جنوبی ہند مین مسلمان امراء کی آزاد ریاستون کے قیام پھر ان کے خاتمہ کی پوری تفصیل ہے، اس عام تاریخ کے بعد آخر مین چند ضمیمے ہین، اس مین جنوبی ہند کی ہندو مسلمان

ریاستوں، میسور، ٹرانکور، اور کوچین کی تاریخ، ہندوستان کے لئے یورپین قوموں کی کشمکش اور انگریزوں کے قبضہ کی داستان، مدورا کی اسلامی ریاست کی تاریخ، جنوبی ہند کے مسلمانوں کی نسلوں کی تحقیق و تقسیم ان میں ہندوؤں کے اثرات جنوبی ہند کا محرم اس کے ہندوانہ مراسم، سرا کی صوبہ داری، اور یہان کے آثار قدیمہ وغیرہ کا ذکر ہے، اس کتاب کی ایک لائق ذکر خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے ہر جگہ ہندو مسلمانوں کے درمیان تاریخی غلط فہمیوں کے ازالہ اور ان مین اتحاد و یگانگت کے قیام کی کوشش ہے، جنوبی ہند کے آثار قدیمہ کے متعدد فوٹو ہین، اردو مین جنوبی ہند کی یہ پہلی مبسوط تاریخ ہے، اسلئے یقیناً وہ قدرافزائی کی مستحق ہے، نوائط کی تاریخ اور ان کی نسلی تحقیق کی روایتین بہت کچھ بحث طلب ہین، جنوبی ہند مین بلاشبہ عرب نسلین آباد ہین، نوائط بھی انہی میں سے ہون گے لیکن ان کی قرشیت خصوصاً سیادت کی روایتین تو مختلف حیثیتون سے ناقابلِ اعتبار ہین، جیسا کہ خود مصنف کا بھی خیال ہے، ان کی قرشیت کی بنیاد اس پر قائم کیجاتی ہے، کہ وہ نائط بن نضر بن کنانہ کی اولاد سے ہین، اولاً نضر بن کنانہ کے لڑکوں میں نائط کوئی نام نظر نہین آتا، اگر ہو گا بھی تو کوئی غیر معروف شخص ہے، پھر قریش کا خاندان تو نضر بن کنانہ کے دو پشت نیچے فہر (قریش) بن مالک بن نضر بن کنانہ سے قائم ہوتا ہے، اسلئے اگر اوپر کی نسل مین کوئی شخص نائط ہو بھی تو اسکی اولاد قریشی نہین کہلائیگی، اسی پر سیادت کو بھی قیاس کرنا چاہئے،

نشا، مؤلفہ پنڈت کشن پرشاد کول تقطیع چھوٹی ضخامت ۲۲۰ صفحے، کاغذ کتابت و طباعت بہتر قیمت عمر، پتہ:- لیڈر پریس الہ آباد،

اردو زبان کے کہنہ مشق ادیب پنڈت کشن پرشاد کول کا یہ تازہ اصلاحی ڈرامہ ہے، اس مین نوجوان عورتون اور بوڑھے مردوں کی بے جوڑ شادی نوجوان بیواؤں کے عقد ثانی نہ ہونے کے برے نتائج، پھر ان کی لغزش پر ان کے ساتھ سوسائٹی کی ناانصافی کو موثر انداز مین پیش کیا گیا ہے،

ڈرامے کا خلاصہ یہ ہے کہ نشا ایک ممتاز اور کامیاب وکیل کی تعلیم یافتہ لڑکی ہے، اس کا باپ لڑکی کی سوتیلی مان کے بھڑکانے سے محض دولت کی طمع میں نشا، کی مرضی کے خلاف اسکی شادی ایک بوڑھے اور شرابی سیٹھ سے کر دیتا ہے، سیٹھ صاحب شادی کے تھوڑے ہی دنون کے بعد چل بستے ہین، اور نشا عین نوجوانی کے عالم مین بیوہ ہو جاتی ہے، کچھ دنون تک وہ سلامت روی کے ساتھ زندگی بسر کرتی ہے، پھر ایک نوجوان عزیز ہرش چندر کے فریب میں آکر اپنی زندگی برباد کر دیتی ہے، ہرش اس سے بدعہدی کر کے اسکی لاعلمی مین اس کے بجائے ایک دولت مند لڑکی سے شادی کر لیتا ہے، اور اپنی بداعمالی کے نتیجہ کو چھپانے کے لئے نشا کو متھرا بھیجتا ہے، یہان اس پر اصل حقیقت منکشف ہوتی ہے، اور وہ مایوسی کے عالم میں مع اپنی نوزائیدہ بچی کے دریا میں پھاند پڑتی ہے، ہرش اس کی جانب سے مطمئن ہونے کے بعد رنگ رلیوں میں مصروف ہو جاتا ہے، لیکن بدقسمتی سے نشا کسی طرح دریا سے نکل آتی ہے، لیکن اب سوسائٹی اُسے قبول نہیں کر سکتی اس لئے وہ بازاری عورت کا لباس اختیار کرتی ہے، اور اس لباس مین وہ ہرش سے انتقام لینے کی کوشش کرتی ہے، اس میں اُسے ناکامی ہوتی ہے، اور وہ پاکبازی کی زندگی بسر کرنے کے لئے ایک اسکول کی معلمہ بن جاتی ہے، لیکن اسکی گذشتہ زندگی کا داغ ساتھ ہے، اسلئے تھوڑے ہی دنوں کے بعد وہ اسکول سے الگ کر دیجاتی ہے، اور اسکی پروردہ لڑکی کا شوہر تک اسے اپنے یہان ٹھہرانے کا روادار نہین ہوتا، اس لئے نشا قومی تحریک میں شریک ہو جاتی ہے، لیکن سوسائٹی اسے یہان بھی نہیں ٹکنے دیتی، اور وہ غریبوں کی جھونپڑیون مین پناہ لینے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور ان کے لڑکوں کی تعلیم و تربیت پر بسر اوقات کرتے ہوئے نہایت بیکسی کے عالم مین جان دیتی ہے، اس کے برعکس اصل مجرم ہرش سے سوسائٹی کوئی مواخذہ نہین کرتی وہ اپنی پرفریب اور شرمناک زندگی کے باوجود محض اپنی دولت کی قوت پر سوسائٹی مین ویسا ہی

مقبول رہتا ہے، پنڈت جی ایک کہنہ مشق ادیب ہین اسلئے اس ڈرامے کے متعلق کچھ کہنا تحصیل حاصل ہے، ظاہری اور معنوی دونوں اعتبار سے بہت کامیاب ہے،

پس پردہ مؤلفہ جناب چندر بھوشن سنگھ تقطیع چھوٹی ضخامت ۱۲۸ صفحے، کاغذ کتابت وطباعت بہتر قیمت ۱۲؍ پتہ :- مکتبہ جامعہ ملیہ امین آباد لکھنؤ،

نئے افسانہ نگارون مین مؤلف کا نام اجنبی نہیں ہے، رسالوں مین ان کے افسانے نکلتے رہتے ہین، پس پردہ ان کے سات منتخب افسانوں کا مجموعہ ہے، یہ افسانے محض تفریحی نہیں ہین، بلکہ ان میں فطرت انسانی کی بعض کمزوریون ہماری معاشرت کے بعض قابل اصلاح پہلوؤن، اور ترقی یافتہ اور دیہاتی زندگی کے بعض رُخوں کو پیش کیا گیا ہے، سب افسانے دلچسپ، مفید اور سبق آموز اور پلاٹ اور زبان کے اعتبار سے بہت کامیاب ہین، ان کی کامیابی کی یہ دلیل ہے، کہ ان پر پریم چند کی تحریر کا دھوکا ہوتا ہے،

ارمغان جذب (حصہ دوم) از جناب رگھونندن راؤ جذب عالمپوری تقطیع چھوٹی، ضخامت ۱۶۰ صفحے، کاغذ، کتابت وطباعت بہتر ہے، قیمت مجلد :- ۱۲؍ پتہ :- ادارۂ ادبیات اردو، رفعت منزل خیرات آباد، حیدر آباد،

یہ کتاب رگھونندن راؤ صاحب وکیل حیدر آباد کی رباعیات کا مجموعہ ہے، ان کا کلام ہمین پہلی مرتبہ دیکھنے کا اتفاق ہوا، اس کے دیکھنے سے اندازہ ہوتا ہے، کہ جناب جذب کا فطری رجحان اخلاق وحکمت، پند وموعظت کی جانب ہے، اسی لئے انھون نے اپنے خیالات کے اظہار کیلئے رباعی کو اختیار کیا ہے، یہ تمام رباعیان اخلاقی اور حکیمانہ ہین، اس کی زبان سادہ اور بے تکلف اور معنی موثر اور سبق آموز ہین،

جلد ۴۶ ماہ شوال المکرم سنہ ۱۳۵۹ھ مطابق ماہ نومبر سنہ ۱۹۴۰ء عدد ۵

مضامین